

গোপন





کمانے کے دوران بھی یہاں رہا۔ ساتھ ساتھ ٹیلی ویژن پر ایک بارش کی فلم بھی بنائی تھی۔ اس نے اسے آزادی قرار دیا اور بتایا کہ اس نے اس سے سی ڈیروں کا کام لیا ہے۔ مجھے اس کی لائقیت دیا کہڑی بن گئی تو بہت سو رہا تھا مگر میں مسلمان ہوا تو ٹھیک تھا۔ کیونکہ میں نے بھی وہی حروف تہجہ جو کسی بھی وقت اس کی پٹیا پر لکھا تھا اس کے ساتھ لکھا تھا۔ اس لیے میں نے کسی سے کہا کہ کیا بھر سکتا ہوں۔ اب اس مال کی فروخت بکرائی گئی ہے۔

کمانا کمانے کے بعد حسب معمول ماہوں میں ہر ماہ کی نوے پچاس گھنٹہ میں بچا رہا اور میں نے بال کے ساتھ حسب ضرورت قرضے لے کر چھوٹے کارڈ کیا۔ شہرہ شہری سے گریوں میں ملنا یہی وجہ رہا تھا۔ چلنے بچانے تک ہم کا مسئلہ سال سو چھ گھنٹہ تھا۔ سوچنے والے بچوں پر گرا۔

”کچھ بھی نہیں ہوا۔“ میں نے چٹ لیت کر بتا دیا کہ تمہارے کچھ سال میں مسکن کی طرح پانچ فی گھنٹہ پانچ گھنٹہ کا کارڈس لیتے ہوئے کہا تو وہ نہت ہوا کہیں کے بل واز میری طرف متوجہ ہوا۔

”کچھ نہیں، بہت کچھ ہوا ہے۔ تم کافی پیچھے رہ گئے ہو۔ پہلے دیکھنے سے جتنے تھے۔“ شہرہ شہری نے کہا۔

اس کے پہلا گ تھر۔ میں نے اسے گھور کر دیکھا۔ مگر وہ کبھی متاثر نہیں ہوا۔

”جی جی جی کہہ رہی تھیں کہ اب ہر روز یہ کہنے لگا ہے۔“

”تو یہ تو بڑا فرق تو رہا ہے۔“ آپ میں جی نہیں سال کا تھا، یعنی نو جوان۔ اور اسے سارا خطا تھا میں مال کا میں، یعنی چار جوان۔“ میں نے نقد۔ اور وہی سے اس کی ہوا لائی تھی۔ کبھی چہرے سے مائی کی آواز سنائی دی۔ میں نے مسکندی سے اسے اشارہ کیا تو وہ انگوٹھ کر مند پر سے گھنٹہ میں بھاگ گیا۔ مائی کی اسے ہاتھ جھٹ پالے جانے کو کہہ رہی تھی وہ میری طرف مڑا تو میں نے فوراً انکھیں بند کر کے سونے کا کارڈ لیا۔

”بہت عجیب سوچ۔ جہاں کوئی کام نہ کرے۔“ وہ بات نہیں کر رہا تو میں نے اپنی انکھیں بند کر دیں۔ ایک عرصہ بعد مائی کا اشارہ کیا۔ وہ چلنے کے پائے کو کہہ کر مائی مجھے طعن کرتا





اور۔۔۔ یہاں کوپیا سڑ گیا تھا؟ بول نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا تھا۔

یہ رقم کہہ دی سوا کر ایسی کوئی بات نہیں۔ اصل حقیقت تو تمہارا رویہ ظاہر کر رہا ہے۔

میں اندر ہی اندر اس کے اس انداز پر بہت متحذو رہا اور جانتا۔ یہ ٹھیک ہے۔ چاہے اہل میں، میں اپنی اصلاحی مصلحت کرنے میں اس کے بعد اس کے کاروبار کو مستحیا لئے میں ہے۔ مسرورہ را تھا۔ مگر ایسا تو کچھ نہیں ہوا تھا کہ وہ مجھ سے یہاں رہنے پر توجہ دے۔ یہ تو وہ کبھی بھی مجھ سے مرنا تو نہیں کرتی تھی۔

میں اس کی باتیں، دُشمنی، خفیہ کراس کی سہیلیوں کے خواہی پہنچا دیا کرتا تھا۔ صرف سے ہی نہیں، بلکہ اس کی سہیلیوں کو بھی میں نے ہاتھوں پہنے جہاں پہنچے تھے۔ تب بھی وہ زیادہ سے زیادہ ایک آدھ گھنٹے کے لئے ناراض ہوتی تھی۔ کیونکہ اس ایک آدھ گھنٹے میں وہ مجھے کمرے سے نکلنے کا حکم دے دیتی تھی اور میرا ایک چارہ بوجھا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے روکنے کے لئے میرے آگے پیچھے بھر رہی ہوتی تھی۔ اتنا ناراض تو وہ چاہی بھی نہیں ہوتی تھی، جب میں نے اس کی سب سے زیادہ کھلی ہوئی کہیں.....

میرے پاس ایک سو فی لمیٹیٹڈ انویسٹمنٹ ہے۔ یہ خوشی ہے۔

”اگر میں خبر دے کر پاپا تو کھڑے“ پاپا نے کہا۔ ”میں دیکھنے کی کچھ جوجیہ نظریں حاکم میں نے ٹھارت سے چھپا تھا۔“

”قومیں مرچا کھائیں۔“ قومیں ہلکی سے ہلکی تھکی، پھینسا سہا سہا کا۔ یہی جواب سرِ لفظِ بحر کے لئے قومیں تھکی تھیں ان سدا تھا اس کے بعد میں نے غصے سے کہا ”چل۔“ تھکی۔

”پتہ نہیں، آپ کو کیوں محسوس ہو رہا ہے صبر کرو۔ میں نے تو یہاں کچھ نہیں پایا۔“ ہمایا کی آواز مجھے حال میں سمجھنے لائی۔ وہ ہر وہاں گئی مسکراتے کی کوشش نہیں کر رہی تھی۔

”آبلے..... یہاں تو موسم بہت خوشگوار ہو رہا ہے۔“ سٹالے پر اٹھلا کر میز صلیب پر مودار مودے ہوئے بلال نے ہاپ نظر اڑاتے ہی باجھیں ڈیلا کھیں تو وہ چٹلی سی ہو گئی۔ اب تو وہ پتھر جیال کی معنی خیز نظر میں سر باتوں کو کھٹنے لگی تھی۔ کیونکہ یہ میری ہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ان دونوں کو منگنی کے بندھن میں باندھ دیا گیا تھا۔

ہوبال کے کام میں آنے سے پہلے ہی وہ پندرہ لاکھ خیریتوں کی طرف بڑھ گئی۔ میرے تمام سوالوں کا جواب انھیں اندر ہی اندر چھپائی ہو گئیں۔ میں حال کا گھورتے ہوئے چنگ یٹر گیا۔ اٹھا چاٹتا رہا۔

بستر پر دوڑا ہوا تھا۔ گرمیوں کا موسم سونے کے باوجود اس وقت صحت کا موسم خوشگوار ہے۔ کچھ حساس بیمار باقیات یا تو یہ بچھے کاٹا۔ قندیل بھر نہ کی طرف سے؟ نے ہوائی ملکی ملکی ہوا کا۔

میرے دوڑا گئی خوشی کو اس نے لگا۔ میں نے ایک بار شوق کو بھر سے اس میں لایا، جہاں میں ایک منہ بستی قسم کا لڑکا سو رہا تھا۔ وہاں جاں ورمائی کی گھنٹی سناتا تھا، غار سے اپنے بازو اٹھا کر لڑکا جھگڑا۔ مجھے سمجھا نہیں آ رہی تھی کہ یہ چار سال میں نے گزار کیسے کیے؟

اور پھر ایک نکلے۔ ایک کمرے۔ چار سالوں پر ڈال دیا تھا اس تمام مہرے میں ہے۔ اندر سے بھر پوری آہی تھی۔ وہ سب ہوا رہے۔ پہلی کی توجہ کا نتیجہ تھی۔ وہ تمام تر لالہ لالی ہیں، چہرے یوں اور دل آویز ہیں جیسے بھول ہی گیا تھا۔ آپ گزری باتیں محض چہرہ پر بے ہوشی لگتی تھیں۔

”نکلنا ہے کہ بارش ہوئی۔“ سال کے ریتیں تھیں۔ بے ہوشی میں سال میں لوٹ آیا۔

”اور یہ تو جیسا کہ اسوں نے بارہ کر کے بمانجوں کے ساتھ سر پر کھڑے ہیں؟“ میرے مٹے یہ غار پر وہ سن دیا۔

”جس میں کیسے پتہ کہ بارہ کر رہی ہیں؟“

”جس میں کیسے پتہ کہ بارہ کر رہی ہیں؟“ میں نے جواب دے۔ طبعان سے سال یا تو وہ برابر ہوا۔

”کیونکہ۔“

”سہم نوح۔“ میں نے نیند سے بند ہوئی آنکھیں کھل کر کہا تو اس نے مجھے گھور کر کہنے بدلی۔ میں نے بھی مسکرا کر اس کی طرف سے کہہ دی تو بے اختیار ہی میری نظر چمکاؤ کی دھیرے چاہی۔ جہاں ایک غریب لی چٹھی تھی۔ میری یہ داشت سہا اچھی تھی۔ ملکی ہی مسکرا ہوا میرے ہاتھوں پر پھیل گئی۔

”ماغوسہ اور۔“

یہ لی ہوئی تھی۔ اور وہ..... میں نے کیا کہیں ہو گئی۔











”او کے۔“ میں نے کندھ سے اچانک اتر کر آرام سے بولا۔ ”سوری۔“

وہ خیریاں بھیچ رہی تھیں، جیسے بھی ملی کی طرح کھڑے بھٹکتے ہوئے تھیں۔ میرے پاس سے ہر ایک گزرتی تھی۔  
”بہت بڑے کینے سونم۔“ بلال کا ذوقِ قل پہنچل سڑپا تھا۔

”تم ہوں نہ؟“ ایک سی بار بڑا سا بیٹا بلاگ کھسکا کر لیم ٹو کا کلا، ہلکا ہلکا بار بار نہیں لٹاتا تھا۔۔۔ جب بھی مجھ پر صبر آئے مجھے کہہ دیا کہ میں لیم یا سدا کچھ کیا کروں گا۔“

میں لٹا ہوتے سے کہتا اٹھ کر اس کی چار پائی پر زبردستی ہار بھاگا۔ اتنی گرمی میں میری اس حرکت نے اسے آگ لگوا کر دیا۔ وہ حق فحش کرنا اٹھ کر کڑی ہر جھنسن لیا۔ میں اس کی خوشگسٹھن نظروں کی پہاڑ کے خیمے  
پانچ منٹ کے اندر رات دیند کی بن بول کے سنگ بنوایا۔

رات میں اب اٹھا، جب کھانے کا کام سونپا۔ آنکھوں پر پانی کے پھیپھے مار کر کلی کر کے میں امی جی کے کمرے میں چلا گیا، جہاں ایک طرف وہ پلنگ بچھے ہوئے تھے۔ میں زمین پر دھڑکھٹاں بچھلایا جاتا  
تھا۔ نیا کا بھولا سوچہ ہر کچھ کر مجھے ملتی تھی۔

”اب صاف کرو۔“ میں لگی لپٹی دے کے بغیر اس کے ساتھ بیٹھنے سے بڑا فوٹو ماسوں جان دیکھی سے نہیں دیکھنے لگے۔

”جیسے سے لازالی سولی ہے۔“

”کچھ نہیں، ماسوں جان فٹس ایسے ہی فدا ہی باہر کولہ پر لئے بیٹھی ہے۔“ میں نے شرارتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا خیر۔۔۔ ساتھ میں نے ہال میں میری پہلی میں کہنی چھسوی۔ میں  
اسے گھونٹا سہا پتی لپٹ میں چاہل کا لئے گا۔

رات جب تک ہم جاتے رہے۔ سنا نے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر وہ بھی اس فوٹو لگی تھی۔ نہانی۔

”بھارت میں جاؤ نہ۔“ میں ہائیں ہتھائیں خیر خیر چاہ کر صحت پر آ گیا۔ بلال میرے بچھے نکلا تھا۔ میرے سداؤ کو، کچھ کہہ دیا، خواہ مخواہ ٹکڑے لگاتا تھا۔

”یہ کیا خطرہ ہے بات کرنے کا۔“ میں چٹک پر لپٹے لپٹے انہر جیٹا اور فیسے سے بولا۔

”نہ! وہ جو وہیہ بننے کی کوشش کی تو۔ یہ میرا اس کا عالم ہے۔“

”نگرہ میری ہو نے ہاں۔۔۔۔۔“ وہ سارے عقاب حق سے کہنے کا تھا، مگر میں اس کا دھڑ بھٹے ہی سے اس کا مہم پانیا۔

”نگرہ میری سہیلگی ہے۔۔۔۔۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا تو وہ دل۔ ہاتھ دھ کر پے پٹک نہ کر گیا۔

”باتے یا ٹیک ہو تے ہو تے یہا ہے۔“ اس کے گہری سانس لے کر کہنے پر مجھے ہلکی آگئی۔ میں نے لب کر سر کے پہلے ہاتھ ہاتھ لگے۔

”چند نہیں دن لڑکیوں کو، رہا ہی بات پر اتنی سنجیدگی سے تھا ہو نے کی رہا ہی کیوں سوتی ہے؟“ میں بہت تپ کر اظہار خیال کر رہا تھا۔

”یہ نہ ہی بات نہیں ہے۔ اس نے اپنی نکلی کے غذا کی آس میں اتنی گہری میں چوڑ کر ملوہ ملا تھا اور اس کے بعد۔۔۔۔۔“ وہ پوچھنی طرح کا کی حرکت کر رہا تھا۔

”اس نے مجھے بھائی بنایا سوا ہے۔ بس ایسا ہی سہاں میں۔“ میں گئی کر میں کہ نہیں تھا۔ پھر گئی میر۔ اب لہجے میں خود بخود دھڑکا ہوا ملا تھا کیا تھا جسے محسوس کے حال سکرا دیا۔

”بس ایسی خیال سے تو مارا کیا جاتی ہے۔ ہوتے یہ لڑکیاں بھی ہا کوں پنے نہ ہا دیتی میں۔“ نگرہ دیا تبدیل کیا۔ ”تمہاری طرف بہت دل ہے سو؟“ میں نے اس کی بات کو سوری نہیں۔

بالا میں۔۔۔۔۔ اس کا تیسرا۔۔۔۔۔ میر کا سا تہ جزا وقت تھا۔ اس کے امرا سہاں جان کے خیالات میں مطابقت نہیں گئی لہذا وہ تیسرا۔۔۔۔۔ میں نے ماسوں کے ماں پڑا ہا تھا۔ میری ہی طرح وہ بھی فی

ایسی ہی کے بعد فارٹ تھا۔

”کوہ میں ریز میں غلوں کا۔“ میں نے یہ مگرام بناتے سوئے آناں۔ نگرہ ہی متا دیا۔ بے پلا ہا جس نے غیندا لاکر رکھنی تھی۔

”چند نہیں مبارک! اب سوئی؟“ میر ساداز میں بے زاری وراتی۔

”چچی ہاں کہہ دی تھیں، بے پلا ہا جس مبارک کی ملاست سوتا ہے۔“ ہال نے کہا تو مجھے ہالک محی تھیں نہیں آیا۔

یونہی دھواہر کی باتیں کرتے نہ جاں بہ ہم نیند کی یادیں میں تر گئے۔

انگلے وڑ گئی سواتھی رہی ہو جس نے سانس تک کے رکھی۔ دل چڑھتا شے کے بعد میں اور ہل بھر گونے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ یونہی بازاروں میں گشت کرتے ہوئے بال چیزیں والی دکان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جلد قدم آگے بڑھا کر بھٹا حساس ہوا تھا کہ وہیر۔ ساتھ نہیں ہے۔ اچھے دائیں بائیں دیکھ کر میں بے اختیار مزاح تھا۔ اسے چیزیں والی دکان کے سامنے دیکھ کر میں نکل بھر کو بھونچا رہ گیا۔ بھر گویا سٹاک میں آئے ہوئے اس کی طرف پکا۔ دکان والیوں نے دھواہر سے بھری ہوئی تھی۔

”بھری ہوئی میں کیا جوئے کہا نے کاشق سو رہا ہے؟“ میں نے اس کا بازو اپنی سے دوڑ کر دانت پیچے ہوئے کہا۔ ”گروہ تو جیسے ہوشی میں نہیں تھا۔“

”اے... خدا نہ ہو گیا ہے کیا؟“ میں نے گڑبڑا کر کہا تو وہ امان کر دیا۔

”میں اپنے لئے نہیں، بلکہ کے لئے لے رہا ہوں۔“

”اے...“ بھری سانس بھر۔ حلق سے خارج ہوئی تھی۔ نیا وہ لمانیت مجھے متوقع ”سٹر“ سے ملنے کی ہوئی تھی۔ جتنی دیر میں محل نے چیزیں خریدی تھیں، میں نے رات ہی مالے کو رہا نے کی حد تک زخم کر کے چھین رہا تھا۔ اے! میں رہا ہوں۔ یہ بھلا کر رہا کرتی بھلا کر رہا۔

”وہی ہے یہ کس فلم کے ہیرو کی ٹھیک ٹھیک شکل، مانا یا وہ جھوٹ؟“ اسے ہی میں نے اسے بھلا کر وہ مسکرایا۔

”اے تو بات بے بات نہیں گئے۔“ میں نے آہ بھری، بھرا سے گھبرا کر دیکھا۔ ”اگر میری بھی کہ یہ چیزیں، بے کی کوشش کی تو میں تمہاری باتیں تو نہ کر سکتا۔“

”بھائی نہیں میرا...؟“ اس نے کسی صورت حالی تو میں نے مشکل ملی ہوئی۔

”گرم بکے تھلے رہا چلے گئی تھی۔“ ماہیت تھانہ بھر شہید گرم۔ لیکن یہ بھی مدد ہی کی قدر تھی کہ گھر پہنچنے تک آسمان کو یکا یک سیاہیوں نے ڈھاپ لیا تھا۔ جس میں غور غور موائیں چلے گئیں۔

جب ہم نے صبح میں قدم رکھا تو بادلوں کی ٹکڑیاں آسمان کے ساتھ دو سلاخوں کی طرح سرخسوں کی پٹلی بارش تھیں۔  
 مائی قیچک کھینٹ کر آسمان میں کود رہی تھیں۔ میں نے قلمیڑ پر کھڑکی کی دھڑکی بھی غلاموں میں شگ کپڑوں کا پیر لے سجت پر سنا۔ یہی مریخی کالی کی طرح منہ پھلائے ہمارے پاس سے گزرتی پھلتی گئی۔  
 ”بڑی نیم کی پھلتی ہے۔“ میں نے جگ کر کہا اور آسمان پر سلام مائی قیچک کے حوالے کر دیا۔  
 ”انہیں ٹھنڈے۔“ فہ لے پانی میں ڈبوئیں۔ پانچ منٹ میں ٹھنڈے سو جائیں گے۔“ بال نے انہیں مشورہ دیا تھا۔  
 ”نیل، آہل۔۔۔“ میں بال کو اشارہ کرتا رہا کہ کمر کی طرف ہڑھلادو۔ کپڑے پیر کر رہی تھی۔  
 ”کیا سال ہے میری بھائی، بہن کا؟“ میں نے شہداء گیس لچھ میں پڑھا تو وہ تیری پڑھائے مجھے دیکھنے لگی۔  
 ”وہی حال ہے جو بیارے بھائی نے کیا سوا ہے۔“ اس کے جل کر پلے پر میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔  
 ”کیا برا تازہ دست ہو تم سوار بابا سوار میں تم سار لے آسمان لایا ہوں۔“ میں نے سلاخا۔ رہا تھا۔ بال نے موقع نہایت جانتے کر جوڑیاں آگے کیں۔  
 ”اگر ہوگی۔۔۔۔۔۔“  
 ”مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے۔“ جوڑیاں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جھپ سی ابھری تھی مگر وہ بڑی رکھائی سے بولی۔ بال نے امداد طلب نظروں سے مجھے دیکھا۔  
 ”لے لو۔۔۔۔۔۔ بھائی دے رہا ہے۔“ میں نے ہاتھ کو پکڑا۔ بال میرے اٹھانے کو نہت کہا کہ مجھے دیکھنے لگا۔ اور نیا نے جوڑیاں لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور بال نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔  
 ”تو میں دے جاؤں۔“ بال نے کہا جب تازہ ہاتھ مجھے ہٹائی آئے جاری تھی۔ یہی صورت بھائی بننے کو تیار تھا۔  
 ”کیوں؟ کیا آپ میرے بھائی ہیں؟“ کیا جیسے سخت برہان لگتی تھی۔ میں نے تو بے اختیار قہقہہ لگایا ہی تھا، بال بھی نکل ہو گیا۔  
 ”خدا انھوں سے میں کیوں تمہارا بھائی ہونے لگا؟“

”یا؟۔۔۔ یعنی میں اتنی رری سوں؟“ وہ مہاجرہ بانہی ہوئے لگی۔ سر میں جو اس ماما سے کا ڈر پڑا تھا، ڈب مٹھو ڈھو رہا تھا، بلال کی بے بسی سے۔

یہ بات نہیں ہے۔ تم تو سبھا بھی ہو۔ مگر دیکھو، تم پہلے ہی اپنے اس اخلط بھائی کے ہاتھوں تلے سو۔ پھر ایک اور بھائی کا کیا کرو گی؟ مجھے کان ہی رہنے دو۔“ اس نے بڑے طریقے سے بلال سے سبھا لئے سوئے چہ لیاں آگے بڑھائیں جو ماما نے فوراً تمام لمبے ہوا سی وقت آدمی آدمی دھنوں نکالیں میں بہن لیں۔ اس کی نکالیں گئی گئی تھیں۔

”آپ سے تو بال بھائی اچھے ہیں۔ ام کیا مجھے کانوں میں پاگلکے میں پہنے تھے؟“ وہ مجھے دانا نے لے لے لہذا میں کتنی باہر ٹھکے گی تو میں نے بانک لگائی۔

”تو پھر اسی کو بھائی بنا لو۔“

جوا بچھے سے بلال کا گونہ سر۔ ماما نے کیڑا لے لیا۔

بارش، قلعہ، قلعہ سے ہو رہی تھی، مگر یہ حضری لگے ہوئے تھی، وہ ہر ہوئے بھائی تھی، جب میں نے ماما سے کڑھی پکڑے۔ ماما نے کیڑا نکال کر لیا۔

”میں تو نہیں گئی سونی۔“ وہ ماما سے میں کڑی بچھائے رسالے میں تم لگی۔ صاف جواب دے کر پھر سے ہی کہانی میں تم سو گئی۔

”دیکھو۔۔۔ کئی بچھتا نہ پڑ جائے۔“ میں نے ماما کی فیزی سے کہتے ہوئے اپنی جب تھپتھپی تو اس نے بڑا کچھ مہمکت دیا۔

”آپ کا کام کر کے بھی انسان بچھتا ہی ہے اس لئے بہتر ہے کہ نہ کر کے بچھتا یا جائے۔“ اس کے صفا چٹ لہذا میں نے تڑپ کا چہ استعمال کیا۔

”یعنی کہ تمہیں اپنی سب سے کچی کھلی زبانا کا یہ غلط نہیں پتا ہے؟“ میں نے حیرت سے ماما کا لہو دکھلا تو وہ مجھے تسخانیہ لگا سوں سے دیکھنے لگی۔

”یا آپ ہی کو ہمارے سو۔“

میں نے ماما کی کوہا مہرتی ماما نے سے نکل کر آئے ماما کو کچھ کر گیا ایک ماما کوہا مہرتی۔

”تو کیا تمہیں اپنی کھلی زبانا کا یہ غلط نہیں پتا ہے؟“





”بہت بے پرواہی آپ۔ شرم نہیں آتی آپ کا اس طرح کی حرکتیں کرتے ہوئے۔“ وہ دیکھا رہی تھی۔

”اچھا۔ یہ کیا ہے تمہیں۔ میں کہ تو رہا تھا کہ لے لو۔ مائی تی کوادیں۔ اور یہ بال بھی۔“ میں نے مسکرا کر کہا، جلتی ہے تھلی جیڑا کا تھا۔

”بال بھلی تو میں ہی تھلی کا بیٹن۔“ وہ نصیحتیں کسی کا لٹاؤ میں کرتی تھی۔ اب بھی، مختلف لالہ کر گیا تھی تو، کانوں تک سر فٹم آیا۔ میرے دل میں غصہ نہ کرنے لگی۔ اسے بڑا شوق تھا، یا کی مایہ لینے کا۔

”ہیلو اب، ماہرین۔ ابھی تو موزوں نے لگا تھا۔ ہم بھی تو دیکھیں، تمہاری کچی کھلی کا کھینچنے کیسے سطح کا بیڑا ہوتا ہے۔“ میرا انداز شرم سے بھر پور تھا۔

”بہت۔۔۔ میں آپ۔ آپ کس پلے جاؤں۔ اب میں۔“ جان غدا۔ میں بال ہی ہے آپ نے۔“ وہ ہر جو کچی آنکھ دھری سہیلیوں کے محلہ پڑھے سو تو۔“ وہ چلتی پھرتی اور چلی گئی تو میں نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

”یعنی یہ سب جانے کے لئے مجھے۔“ لڑکیوں سے دوستی نہ کرنے کی تاک مجھے بھی ملے ہو کر ملتا کیسے کی جانی ہے۔“

جواب اس نے دو حجاز سے دروازہ بند کیا تھا۔ میں بے بس ہوا، دوبارہ کرسی پر ٹمرا رہا، اور وہاں تھیں، مائے چار بانی پر تیار لیں، جس کا بال نہ بنا ہوا تھا۔

”تم جہاں رو جھو کر میری سچو بیٹن لگی شرم کر رہے ہو۔“ وہ ٹھٹھکی سے بولا۔

”میرا نہیں، تمہارا چاقو۔“ جے تم نے دل لکایا ہی لکھا، جگہ ہے۔“ میں غماز سے بولا۔

”کچھ اس مت کر، دوبارہ انہو چکا۔ یہاں سے تمہیں دیکھیں، نکال لیں چکا ہے۔“ اس نے کھڑے ہوئے مجھے حقیقت بتائی تو کچھ سوچ کر میں بھی انہو کھڑا ہوا۔ میرا ماہر بہت بھروسہ۔ مائیں کی طرف رہنے کا تھا، اور یہ بھی چکا نہیں تھا کہ ماہر ہی تک یا کا۔ وہ بھی، حال ہو چکا، سو میں نے فوراً اپنا اصلی ملا، ایک چار یا او مائی تی کو کا کرنا کو ملے ہوئے سے پہلے ہم کمر سے نکلے۔



بہت اچھا ایک بہت بال کے ساتھ گزار کر میں مائیں کو لٹاؤ کیا ای تھا۔ بال کو مائی چاہی نے ہی کام سے راک لیا تھا۔ مگر میری اس نے تین چار روز بعد آنے کا وعدہ کیا تھا۔

وہ ہزاروں ہی نے کھلاتا۔ پہلے تو بکھر کر مجھے دیکھتی رہی، پھر آگے بڑھی اور سرے ٹانے سے لگ کر رو نے لگی۔ یہ اس کی ہمیشہ کی عادت تھی۔ پھر بھی میں گڑبڑا گیا۔

”خیر! کیا ہو رہا ہے؟“ میں نے اس کے ٹانے پر بازو بچھڑا کر اسے سونے اندر کی طرف قدم بڑھا دیا اور پیگ زمین پر رکھ کر وہاں پہنچا۔ اسے اور ٹخنوں کے لیے حوض کے پار رو آؤ۔ میں ممانی جان چلی تھاری طرف دیکھتی نہیں رہی تھیں۔

”بھرت۔ میں آپ۔ میں نے غصے میں کھاس کر اپنی تو آپ نے مل رہی ہے لی۔ اسے بڑ۔ بڑ۔ ٹوٹے۔ ٹوٹے ہیں آپ کو میرے بلکل بچے کے لیے ممانی میں دوا تھی ممانی ہی بات چکر ممانی کے تیار۔“ وہ ابھی خیال نہیں آیا میرا۔

”میرے خیال میں یہ ہزاروں سین اور تیل کے بھی سو بیٹھے ہیں۔ یہاں کڑے کڑے تو میں پکھل جائوں گا۔“ میں نے اس کا وہ بیان سنانے کے لئے مسکری صورت بنا کر کہا تو وہ دوا بھول بھال کر میرا ایک ٹھانے مجھے بازو سے تھامے چوں کی طرف تفر یا گھسیٹتی آمد۔ تک لے آئی۔

”اسلام علیکم“

”و علیکم السلام“ ممانی جان نے میرے جھکے سر پر ہاتھ میرے کراڑی مہلت سے جھا۔ ”ایا تو میں کبھی تجھے کے پیچھے گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ وہ دوا تھی ممانی جان کے پاس چار پائی نہ تھیں ممانی کی تھی، کیہ کر نہیں رہا۔“

”تھم کھارہا ہوں میرا مارا مارا ہوں کے نہیں آیا تھا۔ وہ تو بال خدا کر رہا تھا۔ اور پھر بڑے اسوں سے ممانی ہی تھا۔ کچھیل رہی، اور کیا آپ ہی پھر لگا تھا۔“

”تو پھر مجھے تیار کیوں نہیں؟“ اس کی سانس خال ممانی تو اس نے مجھے گھبرا۔

”اچھا جیسا۔ ذرا تمہیں بھی احساس ہو کہ ممانی کو کھٹکے ناس قد رہی رہا ہے۔“ میں طمیان سے بولا تو اسے بھی گھبرا گیا۔

”اور میں کھٹکے کرنا تو جیسے میں ڈاب جیسا۔“ اس کے طنز پر لہجے میں گھبرا سے ہمارے ہمارے گیا۔

”اب تم ٹوڑ دینی کرنے پر تکی ہو۔ مگر دیواروں اور دروازوں سے اپنے سروئی سر رہا۔ باب چلا جاؤں گا تو۔“  
 ”کونہ۔۔۔۔۔۔ مجھے پتا نہ دے رہا ہے۔“ وہ نہ بھلا کر روئی تو میں اس کی جھنجھکی پلکوں کو دیکھ کر افسوس دیا۔  
 ”پس اب اس کے کچھ کمانے کو بھی چھوڑ لے۔“ مسمائی جان نہا سے کمر ہاتھ میں بھی پھینکا۔  
 ”اس میں بھی تو ڈر دینی ہے۔“

”آپ تو ہیں، غامیوں سے پاک۔ کس ہی نہیں میں ہو بیڑا چٹے ہو جے۔“ نظر سے رول تو میرے ماتھو ماتھو سامنی جان کو بھی ہلایا گئی۔  
 ”ہلو کوئی بات نہیں۔ تم بھی تو اٹھا لڑتی ہو۔ یہ بے چارہ۔“ ماسا تنک کر لیتا جتو کیا سوٹیا۔  
 ”یہ ماسا ہے؟“ اس نے سمانی جان کی بات ہی کہہ دے سے انہیں دیکھا، بھرا دار تنگی بھر۔ لہجے میں ہوئی۔  
 ”اگر یہ آپ کی چکی سلیپوں کے غلط چمپا ہے تو بھر میں دیکھتی کہ آپ کس طرح خوش غامی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔“  
 ”صدا کے لئے کئی اچا کے صمانی کے لئے شرارت نکالا۔ آتے ہی صدا نکال کے بیٹھ گئی۔“ سمانی جان نے ناسے نوکا۔  
 ”جاری رہیں۔“ نوبہج پختی باورچی خانے کی طرف گئی تھی۔

فراسی صر کے بعد دسکوائش کے حک کے ساتھ موجود تھی۔ میں نے نہیں کلاس یک ساتھ چڑھائے اور آخری کلاس میں پہلاے بیٹھی یا کی طرف سے حلیہ۔  
 ”تو نہیں.....“ غصہ یہ: ”بھنگی سے براہ میں بولی تو میں بدلا۔  
 ”دس بجی تو میں جانا جا رہا تھا۔ تم پہلے ہی لی آتی ہو۔“  
 ”تو نہیں۔“ کوہنہ راز بولی تھی۔

”اچھا تو بھری کیوں نہیں رہیں؟..... کیونکہ تمہارا سرتی خانے ہی میں چوری چوری بی آئی ہو اس لئے تمہارا دل نہیں کر رہا پیٹے کو۔“ میں نے اس پر حقیقت واضح کی تو وہ جھنجھائی۔  
 ”جی نہیں، یہاں تک نہیں ہے۔“

”تو بھری بیوہ۔ جس نے چوری چھپے نہ دیا اس کا قول طے پاتا ہے پیٹے کو آخر اتنی گرمی ہے۔“ میں نے اطمینان سے کہا تو اس نے ایک جھٹکے سے گلاس پر۔ ساتھ سے لیٹین لایا اور کھجی بھرت چٹا، جب خالی ہو گیا۔ میں نے سمانی جاکٹ کی طرف دیکھتے ہوئے قبضہ لگایا تھا۔  
 ”دیکھا..... اس کا دل کر رہا تھا۔ پیٹے کو۔“

میرنی شرافت پھر سے ہانسی سونے لگی تو میں اس کو بوجھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ سمانی جاکٹ نے بال کے سر ملوں کا حال سوال پوچھا جو میں نے بڑی کھڑکھڑائی سے دیا اور نہ کے لئے دیکھا۔ میں چلا آیا۔ اتنی گرمی میں ٹھنڈے کمرے کا مکن میرے اندر تک نہ چلا گیا۔ میں کچھ۔ بے لڑکی زحمت کے بغیر، معائنہ چھوڑ چلا کہ ستر پر گر آیا۔ جلد پکڑنے لگے تھے مجھے سونے میں۔  
 پتہ نہیں، کتنی دیر سویا ہوں گا۔ گرمی کے شدید احساس سے میرنی آٹھ کھلی تو میں نے دیکھا، کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اسی پر شام نے دہریا لے لیا۔ بے اختیار کمرے میں آکر چوڑھی۔ اس نے ٹیپ لاک ہوا دہریا، جو میں میرے سر پر تھی۔ ہکا اس کی وجہ سے گی شاید مجھے گرمی محسوس ہو رہی تھی۔

”نئی کی ہٹی!..... ہٹھا کیوں بند کیا ہے؟“ میں نیند میں تھا اس لئے میں نے دھڑانے کے بجائے سر کا مناسب سمجھا۔  
 ”کیونکہ، یا آپ کو جگانے کا سب سے آسان اور سچا طریقہ ہے۔“ تو ہمتی ہوئی ہوا کا کھینٹ کر میرے اٹنے پر چوڑھی۔ ”اے اٹھ جائیں!..... آپ سے ایک بڑھڑا ہوا سرتی ہے۔“  
 ”پیلے پنہا چھ نہ، ورنہ تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا کہ میں شرم سے پانی پانی ہو گیا ہوں یا گرمی ہے۔“ میں نے اسے گھوندا تو اس نے مزید جوں تو اس کے بغیر پنہا چلا دیا اور میرے ہونٹ پر آ جھٹی۔  
 ”دراصل میں آپ سے معافی مانگے آئی ہوں۔ میں نے آپ سے بہت بدتمیزی کی تھی۔ میرنی، سب سے آپ کو لایا جاں کے کمرہ جانا ہے..... سوئی۔“ تو ہونٹ سے معصومیت اور شرافت کے ساتھ گویا تھی۔ میں نے کمرہ کی سانس لی۔



”تم جیہ بکلی نامہ بند کر دے گیت آگے سو جاؤ۔“

”تو کیا آپ اس کا یہ خیال بندداشت نہیں کریں گے کہ لڑکے بے خوف و راسخ ہوتے ہیں؟“ عطا پوری سے ہوئی تو مجھے بے عصاً نکلا۔

”بے خوف و راسخ وہ سر کے اوپر جیسا بھتا ہے۔“ میں نے اس پر حقیقت واضح کی اور سترے سے نیچے ہٹ آیا۔

”جی نہیں..... میری بکلی ایسی نہیں ہے۔ اس قصہ کی سی۔“ وہ ہے۔ ”تمہارا نام کئی۔“ سبیلوں کے پیچھے جان دے دینے والی لڑکی میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی۔

”مجھے کیوں بتا رہی ہو؟“ کیا ہے سارا یہودی قوم والی، مجھے کیا کرنی ہے؟“ میں سے نکھڑے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا تو کوئی بڑے ذور سے مجھ سے گرا گیا۔ میرا اسیان چہرے کی طرف تھا، اس لیے میں اس حادثے سے سنبھل نہیں سکا۔ اگلے ہی لمحے میں زمین پر گر گیا۔ خاک کی ٹہنیوں میں موٹ میں آیا، جس سے میں ٹکرایا تھا۔ جملہ جوانی برمانہ میں کڑی مجھے نکھڑی تھی۔ میں غصے اور غم کے غم میں گر پڑا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”اس طریقہ میں آگاہ نہیں چلنے کا۔“

”اے ہے..... میں کھل نہیں رہی تھی، بھانگی ہوئی آ رہی تھی۔ تم ہی راستے میں آ گئے تھے۔ اور راستے میں پہلے سبیلوں کا بھی حال سونا ہے۔“ بالوں میں جملہ چیزیں آنکھوں میں ڈالیں، بھر بھر سونے والے لائق شدہ گرمی میں وہ مکر کاٹنی سے چلا گیا، اس پتے پر بڑے تغیر سے کہہ رہی تھی۔ میں بھر چکا رہ گیا۔ پتہ کرائی کا پ کی لڑکی کو قدرے چٹا چٹا لہجہ ہی تھی۔

”اس صاف اپنی پوری سب سے کچی بکلی ہے۔“ میں نے سونے والے حال میں اپنے سونے والے نورانیہ بکلی کا نظارہ دیا تھا۔ میرا منہ کڑوا ہوا تھا۔

”بھٹ بھٹا نہیں ہے تمہارا۔“

”یہ بہت اچھی ہے۔“ صاف صاف اس نے مجھے یقین دلانے کے لئے زور دے کر کہا تو میں نے ایک تری نظر اس ”بھٹی“ کے سوا یہ نہیں دلی تو میرا سر پٹا نے نکلا۔ اس کے پاس کالنگ دیکھ کر مجھے بھانگی آ رہی تھی۔

”یہ میں تمہارے حق سمجھتی ہوں۔“ پہلی بات میں نے سنا کہ میرا چہرہ اس کے جڑے ہوا ہوا ہے، جو اس نے اس قدر گرمی میں لگی نہیں

اپ سے مٹتی کلائی کر رکھا تھا۔

”محق نہیں، اصر مہائی۔“ نانا نے جلدی سے صبح کی تو اس نے لالہ مٹی سے ہاتھ دلائے۔

”ایک ہی بات ہے۔“

”شٹ اپ، یہ سنو پٹ۔“ میرا پاپو بھائی سو گیا۔ اس نے آرام سے وہ میرا پی پی مٹی کر رہی تھی۔ میں دانت چیں کر بہت فصے ہلا کر اڑا کر کہاں اٹھا، بولی۔

”ایک ڈشبری لڑکوں کو جب دبا ہے نہیں کرنی آتی فوجا مگر ہی میں آگت ہوتے کرتے ہیں۔“ بچا ”اس کے ٹھکانے مار کر ہٹے ہیں۔ میں تخت یا کھڑی محسوس کرنا بہت مشکل خودی کا دیا کر کرے سے نکل گیا۔“



اچھے دن جب میں نانا اور مہائی جان کے ماتھ خندے مسوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا، وہ بلی آئی۔ وہی آنکھوں میں من من بھر رہا، چل سے چڑ۔ بالی اور توج اور ج ٹکر کا سوت ہے وہ دیکھتے کو لے کی ٹیٹھیں بنی ہوئی تھی۔

”آخ.....“ میرا چلن عکس نہ ہو سکا۔ رات کی میری بات سنا بھی خاصی جڑ پھٹی تھی اور اس کا سبب یہی تھا کہ وہاں تھا۔

”اسلام الہم۔“ اس کے سطر چڑھ سلام میں نے جواب نہیں دیا۔ لکھا سے ٹھکر کر دیا۔

”یو کیا طریقہ ہے، سلام کرنے کا؟“ کہنے میں اسلام علیکم، السلام، الہم کا مطلب ہوتا ہے تم مر جاؤ۔“

میرے حنا نے مالے لانداز میں وہ دہرایا بھی شروع نہیں ہوئی۔ اسی طبعیت سے بولی۔

”اچھا..... تو پھر میں بھی اسلام الہم۔“ اس قدر بے حد میں چپ کر دیا۔ نانا نے قہقہہ لگا دیا تھا۔

”مہر ما آم کہا، گی؟“ مہائی جان نے بیٹے اس کے آگے کی تھی اور اس کے بعد اس نے جس طرح اور جس رفتار سے آم کہا نے شروع کئے، مجھے اپنے پسندیدہ تر ہی چل سے ٹکرے سونے لگی۔ وہ فطری





”میں نے کہا نہیں تھا۔ نہ اتفاقاً نہ ٹکروں سے جا کوڑ کھینچے ہوئے ہوئی تو میرا جی چاہا کہ بات چہرہ کماؤں۔ کھٹکھٹ اس خواہش پر قابو پالیا۔

”یقیناً رومرو وہی بہت ادا تھا۔ کئی برس۔ کھٹکھٹ تو میں نے فروخت کر دیے۔“ کیا بے چارہ! میرا مقام بلند کرنے کی کوشش میں باہاں صوفی چارہ تھی۔

”میں تو تب مانوں، جب یہ مجھے لگی رہا ادا کے مکانات۔ بھولہ چاہے کتاب الٹی پکڑی صوفی ہو، لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ ادا صاحب مکاناتی۔ ادا ہے میں۔ ادا صاحب۔“ اس نے بھینچا میرے چہرے کی سرخی دیکھ لی تھی ماسی لئے جلدی سے ہوئی۔

”تمہیں ادا کا نام اس کو۔۔۔ تو بارہویں میں ہو۔“ میں نے جا کوڑ کھینچے ہوئے کا اشارہ کیا مگر وہ بڑا بڑا کئی زیادہ سی ذی شرف لگی تھی۔

”مگر یہ۔۔۔ پاس کا نام نہیں ہوتا۔ چھپوں کے بعد میرا گیزیم میں۔۔۔ پلیٹ ماسی بھائی“

”کئی۔۔۔ گیت آؤ۔ اور اس ماسی کو لگی لے جائو۔ میں لگ رہا ہے جیسے جا رہا ہو چاہیں وہ ان کی کھلی روٹن ہے کمرے میں۔“ میں نے رکھائی اور ہر قلم میں سے کہا تو تانہ بھولے اس کا ماتھ تھا میرا صحت ہو گئی۔ میں نے طریل ماسی۔

کھانے پر ناک مارا کھنگی بھڑ پدا کھنگی ہو گئی تھی۔ پہلے وہ میری مجھے برا بھلا کہنے لگی تھی، مگر کھانے پر اس نے پانی کا گلاس تک بھر کے نہیں دیا۔ مانوں جان کے ادا تھے ہی میں نے اس کی ہڈیا گرفت میں کی تھی۔

”کو کچھ ہی میں ممانی جان سے۔ وہ جانتا لڑکھا سا چنے بھائی سے لیا وہ برا ہے۔“ میں دانت پیٹتے ہوئے ہوا تو وہ ہانسی سو کر اپنی ہڈیا چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

”بھئی میں تو سمجھا سمجھا کے کھٹکھٹ گئی ماسی۔۔۔ پت نہیں کہیں۔ وقت اس کی جان سسپن میں ہی لگی رہتی ہے۔“ ممانی جان بھلائی سے کہتے ہوئے برتن پیٹنے لگیں۔ میں نے اس کی ہڈیا کو جھٹک دیا تھا۔

”مگر تم نہیں آتی تمہیں۔ اس قدر بے سودہ جانتا اور گوارہ کی جہاد کہ حد میں۔“

”اور غور کو کیجیے، کسی زبان استعمال کر رہے ہیں ماسی کے متعلق۔“ اس نے اپنی ہڈیا زبردستی چھڑا کر طر کیا مگر مجھ پر اثر نہیں ہوا۔





”سویہ! ہر بھائی!“

”ہر بھائی! سنگ، لارا، لال کی ہنسی بھٹکانی تھی۔ میں نے قرآن کو نظر میں سے دیکھا۔ دوسری نظر میں ملتی ہے ڈال۔ وہ مٹھو پٹھو پٹھو پٹھو کے آلو اٹھا۔ جو مڑی تھی۔“

”یہ ایسی گھبراہٹ ہے کہ سارا، آلو اٹھا۔ کھانے کا۔“ میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے اس پر چڑھائی کی تو وہ بڑی بے نیازی سے بولی۔

”یہ تو میں دوسرا سوئی لیندوں، اس لئے ایسے کھادی میں۔ مرنے میں تھری ہر کانٹے کے ساتھ کھاتی میں۔“

”اللہ عجیبی شان..... میں سے دیکھ کر وہ کیا جیمہ لال بلا تکلف اس لئے ہر ہنس رہا تھا۔“

”کتھن چاہی سو تم؟“

”جی، میٹرک۔ یہی ہوتا تھا، گرا باجھے، اسکول سے نہ اٹھا لیتے۔ میں جی بڑی ہانکتی تھی۔ ساری ستائیاں بھڑکی سے اپنے بالوں میں تل لگوا کر پچی کرتی تھیں۔ میں بڑی ہانکتی تھی۔ جتنی بھی

استائیاں ایک دوسرے کے خلاف تھیں کرتی تھیں، مجھے یاد دہانی تھیں۔ وہ میں دوسری ستائیاں کو تیار کرتی تھی۔“

میں اس کی پابندی اور باتیں بے مشدد تھا جبکہ بدل کے ہاتھ پہ پیرتے تھے۔ بھینا ہنس ہنس کر اس کے پیچھے ہونے لگا ہوا تھا۔

”نمبر ماہر بھائی! یہ چور ہے میں تم کو کتنی کلاسیں پر بھی سو؟“

میں نے معاملہ سنبھالتے ہوئے نقد رشتے سے رو چھا تو اس نے بدستور آلو بخارا چوتھے ہوئے ایک ہاتھ کی پانچ انگلیاں دکھائیں اور بے نیازی سے بولی۔

”یوری! چہ.....“

میں اس کی تاہلے پر گھبرائی سانس بھر کے نیکی طرف متوجہ ہوا۔

”اب تم کیا چاہتی ہو کہ میں اسے الگ سے پڑھتا شروع کروں؟“

”غیر ہب اتنا تو یہ بھی نہیں جانتی ہے۔“ وہ زور دیتی تھی۔ جملہ لوگوں کے لئے میں نے کچھ سوچا اور پھر بولا۔

”ہلو تم بھی کیا کر رہی ہو۔ پر محلوں کا میں سے۔ مگر پہلے: راجپوت۔ مرہٹوں کا کا سے کچھ تو بھی ہے کہ نہیں۔“

”پرستی مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ آپ کو بھی کچھ تو ہے کہ نہیں؟“ تو وہی سو شہادی سے آنکھیں بھڑکتے ہوئے بھڑکتے ہوئے نکلتی تھی۔ اے تو دیکھ۔ اے غلطی ہی غلطی جاری تھی۔ میں دل میں تیرے کرپکا تھا کا سے سیدھا کر کے کہہ کر دوں گا۔

”تم تو بڑی اچھی ہو۔“ اے ل کی غرضی مندر اس نے شرم کا ایک رالو فارادانوں تک دیا تو میں اس کے سونٹوں سے لے کر پھوڑی تک ہتے رہی کہ کچھ کر بھٹکا پکائی روکے گا۔

”خدا کے لئے نہیں اے مال ہی۔“ وہ۔“ میری اچھا بنانا نے ہتے ہوئے اے منہ صاف کر۔“ لے کر کہا۔ اس نے اپنی آستین کو مال کی جگہ استعمال کرتے ہوئے منہ پر چھاتو اس کی گہری نکالی آپ اس کے مضحکہ خیز انداز میں اس کے شرموں پر بھیل گئی۔

”آپ بھی مجھ سے چاہیں تو پہلے امتحان لے لیں۔“ مجھے سب پتہ ہے۔“ وہ غصہ سے بولی تو دل نے شرماتی نظروں سے مجھ کو دیکھتے ہوئے اس سے کہا۔

”اچھا..... کیا کیا پتہ ہے تمہیں؟“

”ہر بات..... غلط زبانی کی مرفیاں آج کل کتنے لڑے۔“ دہی میں، آپ اس منہ کی اس کے میاں کے ساتھ کس بات پر لڑائی سنی تھی نہ کہ کے کنارے کس کی ملا کاٹ کس سے ملے ہے اور.....“

وہ بغیر کو موڑنے ساپ کے ساتھ ان سب سے انداز میں شروع سنی کہ ہم تینوں کس میں اس آنکھیں پھاڑے سے دیکھتے ہی رو گئے۔ وہ اس لئے کوئی تو میں نے وہ میں سے اے تمام کیا۔

”تیری نکلیا لے جے تہ باری۔“

”واہ جی..... آپ سمجھتے کیا میں خود کو؟“ انا جانتا کچھ ہے نہیں اور کتنے پتہ نہیں کیا میں خود کو۔ صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ مجھے نہیں پتا سمجھتے۔“

وہ جب کہ بولی تو میں نے اس سے ہاتھ دھوئے اس کے گھر لے لیا کوئی اور لڑکی سوتی تو وہاں ہے نہ ڈرتی غر بھگ کر طر یں نہ اور بغیر لیتی۔ مگر وہ بھی جوا ب مجھے گھورتی رہی تھی۔ اس کا کہ میں ہی نا کی طرف متوجہ ہوں۔



ٹھنڈی ٹھنڈی سوائیں بارش کا پتہ دے رہی تھیں۔ میں نے یا کو زبردستی پکڑ لیا۔ جانے پر لڑکھڑکھا تھا۔ خود میں اور بلال دوست کی ٹھنڈی چھانک میں جا رہی تھی۔ اچھے ہوئے تھے جو کہ بھلی تو بلال نے تھی۔  
 عمر میں اپنی ماسا ز طبیعت کی بنا پر اس پر کاہنہ تھا۔  
 ہم دونوں کی مٹھکو کا کرکڑ دے دی تھی۔ کبھی مجھے عسرا نے لگتا اور کبھی غمی کی اتنی بری (ٹھنڈا) اور مانا لڑکیاں لگی ہوئی تھیں۔ اور ہلکی سا جھڑپ جی تھی کہ اسی وقت وہ اپنی مانو کو بازو پر رکھائے دوسرے  
 ہاتھ میں جھڑپا ہوا تھا۔ پٹی آئی۔  
 ”بلال! آج مجھے بغیر ہو چلا ہے کہ میں بہت کٹا، جا رہوں۔“ میں بونہی لپٹے لپٹے خراش خراش اپنی طرف بڑھتی ہوئی، کچھ سے سوئے دل لڑائی سے ہوا۔ بلال نے اٹھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ وہ  
 مجھ کی پانچویں ڈیٹا سا تھا۔  
 ”اس میں تو پہلے بھی کوئی شک نہیں تھا۔“  
 ”سلاہ حکیم۔“ وہی لٹھ مارا مذاق تھا۔ میرے ہاتھ بلال بھی اٹھ رہا تھا۔  
 ”میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا کہ اس طرح سلام نہیں کرتے۔“ میں اسے کوکنے سے باز نہیں رہا تھا۔ مگر حسب ماہ اس نے میری بات کو، اور خود اٹھنا نہیں جانا تھا۔  
 ”ہم سلطان ہیں جی۔ ایسے ہی سلام کرتے ہیں۔“ وہ بڑے غرور سے یوں بولی، جیسے میں خدا خواتین ہوں اور جا سلام سے باہر تھا۔  
 ”خو آج میری ٹی بیڑی آئی ہے۔“ بلال کو میری حالت بہت لطف دے رہی تھی۔ میرے نے بونہی جھڑپ سے ہونے لگا تھا۔ میں سر ہلایا اور پھر رختہ خلا میں کھو گئے سوئے اس نے سو گھٹنے کی کوشش کی، مگر  
 ایک غرور مانا تھا۔  
 ”پکڑ۔۔۔ آہ۔۔۔ یہ کتنا برا۔“ وہ اپنی ٹی میری گود میں بیچ کر لگے ہی مجھے باہر پتی خانے میں نکلی۔ جبکہ میں اس ”گود بھرائی“ پر ہلکا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ مانو بے چاری اس قتلہ امر اپنی بے قدری پر  
 ہراساں ہو کر وہ کٹے پیچھے رہی۔



”اسنوچ، ایڈیٹ، ایل میرڈمان ٹیکس، مائلر۔“ میں نے جس قدر سوچا اسے سناؤ انداز میں کوس ڈالا۔ جبکہ بال۔ پوری چار پانی پر بجائی ہے براجمان۔ نس نس کر مجھے مزید مصداق رہا تھا۔  
 ”یہ تمہاری اسنوچ، ایڈیٹ، سوئی ہے۔“

”وہ دن میں ساری جو کڑی بھادوں کا۔ تمہارے کہتے جاؤ۔“ کینز پر ہونے میں بھی بہت تھا۔

پکڑے۔ میں تو کیا کھانا، ہنگامی ہی ایک ڈیٹ برآمد ہو سکی۔ پتہ چلا کہ میرے نے حسب ماحول مارے۔ جسے کاراشن چٹ کر لیا ہے۔ میں غصے سے ہاتھ لکھ رہا تھا۔

”یہ بھی کھائے ہو۔ اتنی رست کی کیا ہے؟“ میں نے پھر کیا تو براثر مندی سو کر کچھ بولنے لگی۔ مگر اس سے پہلے ہی وہ نے خشکی میں کامیاب ہو کر جے کو نئے پایہ۔ میرے ہاتھ سے۔ سمجھائی۔  
 ”میں تو پہلے ہی کہہ ہی تھی کہ پڑ کیوں کا کھانا ہے لڑکے کہاں پسند کرتے ہیں یہ س۔“

میں نے غصیاں پچھنے ہوئے بے تکلفانہ میں بدداشت کیا تھا۔ اتنی رست تو کبھی نہ لے بھی نہیں کی تھی بلکہ جہاں جہاں سے میری مار خشکی کی حد شروع ہوئی تھی۔ اس پر بے سے وہاں بھی شروع ہوئی تھی۔  
 اور یہ جہاں اور خشکی تھی دیہ جہاں سے مجھے یوں رکھ رہی تھی۔

برے ظہیمان اور تیس سے پکڑوں پر ہاتھ صاف کرنے کے بعد اس نے اپنے ہاتھوں کی بدھیری کے ساتھ ٹیکس کے ماس سے صاف کے اور حزام سے چار پانی پر بیٹھ گئی۔ بال بال کس کرے۔ ہوا تھا۔  
 ”پلو تو، ماسر تو“ مہوزے۔ تسخیرانہ انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔

میرا خون چھینوں میں غور کریں مارنے لگا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ میرے لے مزید یا بعد یہ ہونی چاہی تھی۔

”کبھی یوں۔“ تے ہیں کہ میں تمہیں دیکھ چاہوں۔“

میرے ہونے کے پیش نظر بال نے اپنی حدمات پیش کی تھیں۔ میرے نے ساجہ انداز میں مجھے دیکھ کر پڑا ہوا۔

”کیوں؟ یہ پڑھے لکھے نہیں رہے کیا؟“

ٹپ۔ "میں مر رہا تھا۔ یعنی مدد ہو گئی تھی۔ بتائیں شرافت کا مظاہرہ کر رہا تھا، وہ سرچے حقیقی جاری تھی۔

تھیکہ۔ "توہر جھٹک کر بڑی بچتا بڑی سے ہوئی تو میں جھٹک جا کر ہوا۔ چکر سا گیا۔ مال نے اپنی بے ساختہ ٹہنی کو تانے کے پیچھے چھپا تھا۔

"اچھا ابھی ہر ماہی میں کل کتنے برا عظیم ہیں؟" بلال بھی اسے شرافت کے مولیٰ میں تھا۔ وہ نے بھی سستی نہیں دکھائی بلکہ رولی۔

"تمہیں میں ایک آپا صدیقی کامیاب عظیم۔ دھرا خاندان یکو یکو بیٹا عظیم اور تیسرے میرے باپ ہی تھا عظیم۔"

اس قدر معلوم ہے تو ہم دونوں رنگ رو گئے جبکہ دھرا خاندانی سے پار پانی ہر ماہ کو کوز میں لئے بیٹھ گئی ہر جھلا رہی تھی۔

یقیناً لگتا تھا کہ کس ہے۔ "بال نے بہتے ہوئے کتاب میری طرف دھکی تھی، جو میں نے مگر ہی سانس بھرتے ہوئے قیام لی۔ (کیا۔ یہ میرے لئے دوبارہ چکر۔ ٹانے گئی ہوئی تھی)

میں نے تانے خول کر ایک نہتا آسان۔ اس سال بند۔

"سورج کس طرف سے نکلا ہے؟"

"آسمان پر ہے۔" اس نے جھٹکس بھرے لہجے میں کہا۔

"لیکن کس طرف سے؟" میں نے بہت شہد سے پوچھا تھا۔

"وہ جس طرف باجے ٹھیل کی دھنیں ہیں، اس طرف ہے۔"

ماہیانی بات پر زور دیتے ہوئے ہوئی تو میرا ہی جواب اسے لے جا کر اسے پانچ ٹھیل کی دھنوں میں نہیں کر آئیں۔

"آمرؤ تو اس طرف ہے؟" یہ سال لال نے اپنی ٹہنی خد کر کے ہوئے پوچھا تو وہ قدرے سختی کر رہی۔

"وہ جو چھو بڑیوں کی کھوہائی زمین ہے اس طرف۔۔۔ ٹھیک ہے؟" آخر میں اس نے بے یقینی سے پوچھا۔



”یا کھانا ہے۔“

”پاچے ٹفیل کی ککریاں.....“ وہ ہنسنے لگا۔ ”میں بولی۔“ مذاقی کر رہی ہوں۔“

”کیا یہ نہیں اٹھ سکتی۔“ میں نے سنا۔ مذکر کے بنا کے ٹالے کی اور ککڑیوں سے خراباً نما سو کیا۔ میرا لہجہ مٹانے کو بال گئی آ گیا تھا۔

”کیونکہ مجھے پہلے سے ہی سہاگنا ہے۔“ وہ غلط سے بولی سرائی مانو کے سر سے چادر شمار رگڑنے لگی۔

”اسر سائی ایلین.....“ بنا کو اپنی شرط کی فرشتی۔

”بھئی اس نے ہماری سے بھی کہہ کر دیا کر۔“ میں نے اذیتانی سے مال کی طرف اشارہ کیا تو وہ ہلک سا ہلکا ہوا۔

”بکواس نہیں کرو۔“

”یہ مجھے کس سمجھتے ہی نہیں۔ میں نہیں، اچھی سی نہیں لگتی۔“ اسو تو بنا کی ہلکی ہلکی مسماں سے رچے تھے۔ راکھ کی میز بانی میں، قی آپا، یہ مسماں خراک نہ چھوڑا ہے مقام کی طرف سے وہاں سوہاتے تھے۔

ککڑیاں بال کے حلق میں چھنس گئی۔

”تم بہت اچھی سو، بنا۔“

”اور اچھی لڑکیوں کو بہن بنا نے دلا دیا گل سوتا ہے۔“ میں نے اس کی مات سے حلق اٹھاتے سوئے گیا تو اس نے میرے بازو پر ہاتھ مارا۔

”بکواس مت کرو۔ یا میری بہت اچھی کرنا ہے دوست ہے۔“

”لوئی..... آپ کن پتھروں میں ہیں۔ بے پاری وہ نے مالی ہو رہی ہے۔ بہن کہہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیں۔“

مرد کی بات کی دوسری ہی ذرا دست تھی۔ مال ٹال کھا کے رہ گیا۔ جبکہ میں نے کچھ محتس میں لکھا تھا۔ کچھ دیر پہلے مال کی ہتھیلی میرا خون بہا رہی تھی، جڑی جلدی حسیب پچلا سو رہا تھا۔

”ہاں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ رکھ دو۔ ہاتھ سر پر۔ آخر کونین اور کرسیاں ملانے کا کام ہے۔ سی۔ سی۔ سنا ہے۔“  
 ”اگر..... مل..... کیسے.....“ ٹھیکر شستہ رہنے کے بعد وہ غلا گاتے مکھیر۔ پیچھے پکا کر میں اس سے پہلے ہی مالگ اٹھا تھا۔ نانا نے رونا بھول کر اسے کہے ساتھ ہنس شروع کر دیا تھا۔



اور پھر بہت جلد پتہ چل گیا کہ میں نے وہ کے مسئلے میں مانی بھر کے تھی ایک مصیبت سی۔ الٹی تھی۔ وہ بھی اپنی بے بدقئی کے عوض۔ اس کی بڑھاپی میں کی وہ میں تھی۔ میں سے تو یہاں غلاما، وہی اس بدن میری معلومات میں اضافہ کرتی چلی جا رہی تھی۔ بھلا مجھے کہاں معلوم تھا کہ سورت جاچے ٹٹیل کی مینوں میں سے نکلتا ہے اور جو بد رہیوں کی کھڑی زبانی میں فروے سنا ہے؟ میں اس قدر بھرا ہوا کہ کیا تھا کہ حد میں۔ اور پھر یہ اتھو لگی ہو گیا کہ میں جس کی ہمارا اس جالہ، رنگوار لڑکی سے جو بچا چیز اسکا تھا۔

جس بارے میں ماسوں ہاں رہائش پذیر تھے، اس سے کچھ فاصلے پر ریلوے لائن تھی، جس کی وجہ سے اچھی خاصی ٹیڑھی سیو تھیں اور ماحول ہونے کے باوجود وہی گیس کی پامپ لائن نہیں تھی۔ اچھی تھی اور بھی لوگ سلاٹ اور لکڑیاں استعمال کرنے پر مجبور تھے۔ جگہ اب تو مادی ہو چکے تھے۔ جا نے لکڑیاں ہانے کی ضرورت نہ رہی تھی۔ کیونکہ یہی ہی سستی تھی کہ ہاں سلاٹ لانا بھجیہا تو نہیں رہا تھا۔

اور اب آگ تھی کہ جل ہی نہیں رہی تھی۔ آدھی کہیں میں نے لکڑیوں، تیل کی گاڑیل دی۔ وہاں تھا کہ آنکھوں میں سر میں بھر رہا تھا۔ اور پھر میری آنکھوں ہی نہیں، بلکہ اس کے گلی نہ ہی برآمد ہو گئیں۔  
 تمراگ کو نہیں جلتا تھا نہیں چلی۔ نانا تو میری قندارہ تو نہیں کہہ رہی تھی۔ سوہ سے کہہ۔ بال بھی اس کے ساتھ چلی جہلا وہ پھر ملا لہ۔ لہ رہا تھا۔

”میں بد کہوں گی؟“ اس وقت ہر وہ مجھے لڑکی سلاٹ محسوس ہوتی تھی۔ وہ آہ۔ میں ہنسی پہلے کافی دیر مجھے یہ بتانا کرتے وہ کہتی رہی تھی۔  
 ”مڈ نہیں کہہ چکے تم ہی آگ ہاں۔“

میں نے ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں رڈڑ سے سوئے اٹھا کی تو اس ”ٹاگر دہر شیدا“ نے جلدی سے اپنی تات میرے سامنے کی۔  
 یہ بھاڑ کے جالوں۔“



واٹ بھی کھڑی رہ گیا تھا۔ رشتہ میں باہر ہی کھانا کھایا تھا۔

گمہ کی سانس لے کر میں نے وہاں ہی کی طرف قدم بڑھائے۔ خیر، اب میں نے بھی سوچا تھا کہ کیا کو مجھے رکھا تھا یا پھر اپنی ”پکی“ سہیلیوں کو اور خصوصاً کوکو میں اپنے اذکار و غنائی نہیں چاہتا تھا۔ وہ ہنس رہا تھا کہ تو وہ کھانا چاہتا تھا۔ میں طبعاً ان سے انداز پایا ہوا، انکی سے دور ہونا بند کر کے کٹھنی کا دی۔ باہر چلے جانے کی روشتی ماری تھی کہ ابھی وہاں کوئی موجود ہے۔ میں باہر چلے جانے میں ہانے کا قصد کر رہا تھا کہ میرے قدم ٹھک گئے۔

”کی لڑا نے ل۔ اپنے نصیب پر قابو پا لے، لڑکھی اتنا بے وقوف نہ ہے۔“ اسی آواز بلند از پر میں مستند رہا تھا۔

”کی کنی بات میں ہے۔“ بال نے دہرایا۔

”تو میں نے اس بات کو کیا ہے۔ حاصل بھی کچھ ہمارے کڑی سے کھانا جس جیسا کھانا نہیں تھا۔ دیکھا ہے کیسے میدان چھوڑ کر ہٹا گیا ہے۔ اب کبھی ٹھک کر کے دیکھے جا کو۔“ یہ بیٹیا ٹھک سو فیصد میری کی آواز تھی۔ ٹھکرائی ٹاٹا اور منہ پ؟

”میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ان کو اتنا ٹھک نہ۔ یہ نہیں مہر ہوئی کہیں ہوں گے۔ تم نے تو صرف یہ کہا تھا کہ اب کبھی مجھے ٹھک نہیں کریں گے۔“ ہائی آواز تھی مٹی تھی۔ بیٹیا پہلے بھی دہلی رہی تھی۔ ٹھک میں تو اپنے بے وقوف ہائے جانے پر مستند رکھ رہا تھا۔

تو میرا وہ نہیں ہے جو وہ بڑا کرتی رہی ہے۔

اور میں... میں یہ جھٹکا رہی۔ بات کا یہ چار کرنے والا... میں کیوں نہیں سوچوں چاہا اسے؟ کتنی آسانی سے وہ مجھے بے وقوف بنا کر رکھی۔ اور بال... اس نے مجھے کیوں نہیں ٹھکایا؟ کیا یہ اب مانے گا؟

اٹ... لڑکائی سے یک لخت میرا چہرہ مچھلکا۔

نویسٹک نچوائے کرتے رہے میں میری بات کو۔ اور میں کھٹے دھوں بے وقوف بنا رہا۔

”کون سی لڑکی؟ جاہاں کہاں ہے؟“ اچھی آواز آئی۔ ”میرا ہے کسی۔“۔ ”کیسی؟“۔

میں تھوڑا سا لڑکے کی طرف بڑھا۔

”کوئی نیچا تم نے میرے گلے کر کے کپڑے پہنا دیے۔“ ”کیسی؟“۔ ”میں لڑکیوں کو اس نے میدان مارا ہے۔“ ”مگر تم لوگ کبھی یہاں نہیں جاتے؟“ ”میرا کوئی نہیں جاتا ہے۔“۔

میں بولے ”شیراز؟“ ”میرا؟“ ”میرا؟“ ”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔

”آئی ام۔“۔ ”میرا؟“۔

”فارمات؟“۔ ”میں نے جہاں ہوئے کی کٹنگ کی۔“ ”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔

میں ان کو قصداً نظر انداز کر رہا تھا۔ ”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔

میں شاید بہت اچانک کیا تھا، میں نے، ”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔

”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔

”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔

”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔

”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔

”میرا؟“۔ ”میرا؟“۔





دست ہم سونے کے لئے لیٹے تو میں نے لپٹتے ہی چاٹنا۔ کی کوشش کی مگر بال بھی سونے کے دوا میں نہیں تھا۔ مجھے پتہ تھا کہ یہ لٹتا ہے سونے نہیں دے گی۔

”یو چھ مکتا سوں کو کس بھر کے پاس جن جہاز کئے ہو؟“

”اکتارہ سوں کیا؟“ میں نے جواب سوال کیا تو وہنا توقف ہوا۔

”کیا لکل۔۔۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ جتنا تم سمجھو۔“

”نہیں یونیورسٹی۔۔۔ میں نے سوچا کہ وہ جتنی دینی نہیں ہے جتنا کہ میں سمجھتا ہوں۔“ میں نے نقد دے سوچ کر کہا تو وہ مارے خیرات کے اندھ بیٹھا۔ میں نے اپنی ٹاسی ہمالی۔

”یہ تو نہ نے نی لی ہے یا پھر ہلکے کے آیا ہے۔“ وہ خیرت کر ہوا تو میں ہنس دیا۔ پھر میں نے اس کی طرف سر مت لی۔

”بہ ل۔۔۔ تم نے اس کی آنکھیں نہ دیکھی ہیں؟“

”کس کی؟“ ”تو تجھے میں سنا تھا۔“

”نہر کی۔۔۔۔۔“ میں نے کہتے ہوئے سر تھاری سے آنکھیں موندیں تو اس نے میرا بازو پکڑ کر ہچکڑا ڈالا۔

”موت آنکھیں۔۔۔ میں میں بدلتی تھا۔۔۔ ہڈی سے ہڈی کے سر ہڈی ڈالتی ہے۔“

”پتہ نہیں۔۔۔ کریڈٹ لکل کی ہے، بال ایس، اس نگرے نہیں دیتا، جس سے تم دیکھتے ہو۔“ میں نے سختی آلا۔ کان جھینڈ گاری کرتے ہوئے کہا۔ بال بے جا۔ تو میں ہر نے کہتا۔ تھا۔

”موت سمجھ لو کہوں کی انٹیکس، شعل جلا، اس گلاؤ، بال ہر جنگلی لڑکی ایک دم سے خستہ ہو جی۔ سنی کیسے دکھائی دے گی؟“

”پتہ نہیں۔۔۔ بال۔۔۔۔۔ میں ابھی تو بھی سمجھ نہیں پایا۔“ میں بچے سونے انداز میں کہتا اندھ بیٹھا۔ آنکھیں سے میں نے بال کا سونڈ چیر دیا تو مجھے ٹاسی آنے لگی۔ مگر میں جانتا تھا کہ میرے تمام تر ادنیٰ عمل

کا کھانا میری کامیابی کا ٹکڑا ہے۔ کیونکہ میری اصلیت سے یہ کہی۔ ابھی حلقہ کر اس نے مجھے بتایا نہیں تھا۔ وہ پہلو پہلے نہیں گئی پتہ تھا تو ابے تو تار کھٹا تھا۔

”مجھے تو لگتا ہے کہ تم بیکار ہو گئے ہو۔“ بلال نے مجھے گھورا تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور یہ کیا۔

”اُمّی تو مجھے شوق نہیں ہے کہ یہ سب کیا ہے۔“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ مجھے؟“ وہ مجھے چُٹانے والے انداز میں کہتا نیم دوا ہو گیا۔ مگر میں نے اسے جواب نہیں دیا۔ میں آج بھی کیا، پاؤں میں بچے ستاروں پر نکلے، اسے اگلی پلاننگ میں سرورہ تھا۔



ممانی جاں کی عیادت کے لئے گئی مونی خیمیں۔ مہر وہی تو تھی مگر پڑھنے کے لئے نہیں، بلکہ نیا سے باتیں کرنے کے لئے۔ ہم دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو چکے تھے اس لئے ہال۔ سستی ملاری سونے لگی۔ وہ سونے کے لئے کمرے میں چلا گیا۔ میں کیا برا آمد۔ میں چارپائی پر آرا پر چھا، انہم وراڑ تھا۔ سبھی وجہ امر تھی خانے سے باہر نکلے۔ اس کا یہ وہی تھا، ابھی کا تھا کمر میں نے اسے آواز دے لی۔ اس کے کھانڈ سے مجھے لگا کہ وہ مجھ کو امی ملے لگائی تھی۔

”پڑھنا نہیں ہے تمہیں؟“ میں نے ایک گہری ٹھکراہٹ کے چہرے — بال کرنام سے ادااز میں بچ چھا۔ درحقیقت میں اس کے اصل نقوش بہ ادا زباناں چلاؤ۔ پاتھان اگلی گلی و جاہد جیسے میں جی گئی۔

”کس کی..... مجھے نہیں پڑھنا۔ آپ کو ضرور آتا ہے۔“ نوہا بھولے میں سے ہنسی تو میں مسکرائی۔

”بس کی..... مجھے نہیں پڑھنا۔ آپ کو خیر پر آنا ہے“ تو دیکھ لے ہیں سے ہوئی تو میں منکر ادا۔

”مارے نہیں۔ وہ تو بس بڑبی۔ آئی انجھوری۔ مجھے تم سے اتنے۔۔۔ ملنے سے بات نہیں کرنا چاہی تھی۔“  
 لڑکھن کو وہ مجھ سے کہنے لگی۔

لطیفہ لکھنے کے لئے

“*Shut up, bitch!*”

”تم بہت اچھی سوچ رہی ہو۔“ میں نے اس کے چہرے کی نئی ٹکڑوں کی طرف سے لے کر کہا تو وہ ہنسا لگی۔





”محبت میں مجبور کو پھنسنے کے لئے دل کی جھلکا سنبھال سوتی ہے۔“ میں نے ایک اداکار جھارا تو وہ مجھے گھورنے لگی۔  
 ”آپ سچ کچھ کہہ رہے ہیں؟“

”اس بات سے میری پہچانی کچھ دھڑک کر لوگ میں نے اگلی دکان پر پہلے سفر، سہاگی یہ سب کچھ کہہ دیا ہے۔“ میں نے اپنی بات کو دہرائی تو وہ اچھل پڑی۔ میرے جوش سے بولی۔  
 ”اور اگر آپ بالکل سچ کہہ رہے ہیں تو آپ کو اس کا بہت خوب صورت احاطہ ملے گا۔“  
 ”نہر.....“ میں نے بڑھتی سے پوچھا تو وہ کھٹکھٹا کر فیس دی۔  
 ”کی..... مگر وہ نہیں، جسے آپ نے چاہا ہے۔“  
 میں نہ گھٹکی، بنگلہ کرتے ہوئے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

راحتہ بال کے سامنے لگی میں نے اتنا ایک محبت نہایت تو وہ پہچان ہو گیا۔ مگر میں اس کی جڑ سے ہر پٹائی دمر کے بغیر سونے کے لئے پس گیا۔



آدھوں ماہوں جان کے اسٹور پر گزار کر میں رہا ہالی، مہ کی خوب صوتی دیکھتے ہوئے نگر کی طرف بھاگے تھے۔ سیاہ دیواریں مارے تھیں کوڑھانے ہوئے تھیں۔ ایسے میں ٹھنڈی سائیں جیسے جنت کی فضاؤں کو چھوڑ کر آ رہی تھیں۔ موسم کی خوشبوئی نے ہم پر گویا مار ڈالیا کہ ہم دونوں بول ہی نگر تک آئے تھے۔ یہ تنہا سنا پاپائی میں شراہور تھے۔  
 صبر میں داخل ہوتے ہی ڈش بوائے سے پچھتاؤں کیا کہ موسم کے ہنگاموں میں رہے میں۔ بارشیں بدستور، بدستور سے جاری تھیں۔  
 ”بالکل باکڑ لے لگ رہے ہیں آپ دونوں۔“ سرائے میں سے بنا چلائی تو میں دونوں بازو پھیلا کر گن میں محکم کیا اور اسے ۱۴ فی فی غلط زور سے ۱۵۔  
 ”یہ محبت صرف خدا کے بندوں ہی کو نصیب سوتی ہے۔“

”باگڑے بنے مائی“ وہ بھی رہ چکی تھی۔ وہ تو میں نے گھورنے کی خاطر برآمدے میں چلا آیا۔ کیونکہ پانی کی چادر کے پار سے یہ کام ممکن تھا۔ لہٰذا پھر کو میں بے حد لٹک کر رہ گیا۔  
وہ بھی تھی۔

سری روکتہ گہری سیاہ پٹکیں، خوشبو سے آلودہ کپڑے اور بے داغ جلد۔ کوئی مائیکرو لے، مائیکرو الٹرا مائیکرو، مائیکرو ٹی وی۔  
میں فوراً ”مہیا“۔

”ان کی تقریب“ میں نے جان بوجھ کر پوچھا تو ملازمہ نے ہنس دی۔  
”یہ وہ ہے، یہ وہ ہے، یہ وہ ہے“۔

”یہ... یہ...“ میں کوئی شہدہ نہ کیا۔ میری تیز نظروں سے ہر وہ کچھ لکھا جاتا تھا۔  
”نہیں، میں شرم سے پانی پانی سو رہی ہوں۔“ میں نے گڑبڑ میں کہا تو پیچھے سے ہال نے میرے شانے پر ہاتھ مارا۔  
”ہن کھینا، نا؟“ وہ ہنس رہا تھا۔ ”میرا بھی یہی حال ہوا تھا۔“  
”میں تم سے بے حد خواہاں ہوں۔“

میں براہ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ہمارا ہنسی سے بولا اور ہنسا۔ میں آ کر اپنے لئے کپڑے نکالے۔ ہال میں بیٹھ کر ان کی تھاکا جی ٹھکری سولی دکھائی دی۔ ”کیسے ہو سکتی ہے۔  
بے پناہ تنگ لے لیا جا لے گا۔“ میں نے گہم میں رہے تھا۔ وہ مائی مر و سافافے، دیکھتا ہے کہ شو کو جنس سمجھتے مائی، میری خیال کنہاں لگتی ہے۔ وہ ہاتھ نہ کرنے کے بارے سے  
پتا تو وہ چہرہ ہا۔ میں کھڑی تھی۔ انداز سے جھجک نکلیاں تھیں۔

”میں بھلا رہا ہوں؟“

”میرا کمر نہیں ہے۔ تم آ سکتی ہو۔“ میں نے زکملی سے کہا تھا۔ وہ جین پاؤں پر جا کر اتر آئی۔

”آئی ام سہ ری۔“

”کیوں؟“

”میں نے آپ کو تنگ کیا۔ حالانکہ مجھے اس کا کوئی حق نہیں تھا۔“ وہ سر جھکا کر بولی۔

”وہ سب میرے لئے کیا سمیت نہیں رکھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ سب آپ مذاقی تھا۔ مگر وہ اب کیا ہو گا؟“ میں بے حد شرمیلی سے ہلاؤں ہاتھ کر بیٹھ کر دیکھنے لگی۔ ”میرے دل کا ہر دھڑکا“ میرا ہر غصہ سا گیا۔ میں وہ قدم آگے بڑھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے سوئے ہلا۔ ”اسی مذاق میں تم مجھے یہاں تک لے آئی ہو۔“ وہ اب غصہ سے بھرا ہوا تھا۔ ”میں کیا کروں؟“ میں نے پلٹے کاؤ کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔“

”مہر!“ وہ ہلکڑا کر پیچھے ہٹتی تھی۔ اس کی آنکھوں سے جھٹکا ٹوٹ رہے تھے۔ میں نے ہاتھ طور پر محسوس کی تھی۔ میرے اس بکھرے ہوا فہم نے اسے ششدر کر ڈالا تھا۔ اس کے تو خیالوں میں بھی اس خیال کا گز نہیں ہوا ہو گا کہ میں ایسی وضع قطع کی لڑکی ہوں کہ اس کی حالت کا فائدہ اٹھانے سے سوئے میں مزید بدنامی سے لے لگا۔

”مہر، ہالینہ!..... اسے مذاق مت سمجھو۔ یہ میری زندگی کا سہا ہے۔ کسی کتاب کا نہیں کہ تم فلمی میں اداکار۔ ایک با..... صرف ایک بار میری محبت سے متعلق ضرور سوچنا۔ جس نے اس نگہری سنواری مہر کے بجائے اس جاہل امر گوارہ کو آپ لئے چاہا۔“ میں جس قدر شرمیدہ ہو سکتا تھا، وہاں۔

وہ زور پڑتی رنگت کے ساتھ بھانسنے کے سے انداز میں ملتی تھی۔ میرے سونوں پر بھٹکاؤ کی سی مسکراہٹ بکھرتی تھی۔ پھر ابا مجھے بہت لطف دینے لگا تھا۔

میں سہارا دینا کر کے کچھ سے تبدیل کرنے لگا۔ مجھ پر بہت سرشاری کیفیت تھی۔

”سو نہ..... کون بڑا ہوا ہے۔ مہر فواز کو بےوقوف بنانے والا؟“ میں نے بے حد خفا سے سہا۔

انگلے پار پانچ دنوں میں مجھے مہر کی شکل بھی دکھائی نہیں دی۔ ہال بھی کمر گیا ہوا تھا، اس لئے بہت دور۔ بے سوری تھی۔ پوچھنے کا آخری میدان تھا، اس لئے جا کر صرف پڑھائی ہی سوچ رہی تھی۔



میں قصیدی صبرِ ماسوں ہاں کے ماتھا سٹور پر بیٹھا۔ وہاں بھی دل نہیں نکاتو کھرا آیا۔ ممانی ہاں کے ماتھ کاٹی دیک۔ احرار کی باتیں کہیں۔ جب وہ بھی اونگھنے لگیں تو میں ان کے کمرے سے نکل گیا۔ برآمدے میں پچھلے کے چپے چارپائی بچھائے نیا فرش کھیرا۔ چٹکی تھی۔ انھیں کے پٹوٹس میری ہی کوششوں سے معرض ہو میں آئے تھے۔ میں بہت استایا اس کے سر پر چاکر اسیا کرہ میری طرف متوجہ نہیں ہوئی۔

”فی الاف کتنی بور سو گئی ہے“

میری اس مانی یہ اس نے نہ تھے۔ مجھے دیکھا تھا۔

”خدا خیر ہی کر۔ بات کیا ہے؟“

میں ہوز حاکمید کے کراس کے پاس بیٹھے سوئے ہوا۔

”اے یہ ہے کہ میرا کوڑ پچھلے پتہ نہیں کتنے سال ریت گئے ہیں۔“

میرے آدھار کے کہنے پر ہزاروں سے فیس دی۔

”سال..... اللہ معاف کر۔ اچھی چارپائی من ہی تیرے ہیں۔“

”تمہیں کیا پتہ۔ دل جانوں کے لئے ہزاروں یادیں کے برابر ہوتے ہیں۔“ میں نے ٹھنڈی آدھاری۔ وہ مجھے کھور تے سوئے ہوئی۔

”مجھے کیوں نہیں پتہ؟ کیا میں دل ہائی نہیں ہوں؟“

اس کے سوال پر مجھے ہلکی سی اور ل کی یاد آگئی۔

”دل ہائی تو نہ بگڑا ہی نہیں۔ جیسا میں ہوں۔ یعنی میرے پاس ہر کمال بھی تو ہے۔“ میں نے وساحت کی تو وہ مذاق اڑانے لگے لانداز میں ہوئی۔



زیرینہ بھی آجاتیں تو کوئی فکری بات نہیں تھی۔ کیونکہ وہاں کے ہاں آئی رہتی تھیں اور مجھے خاصہ چھاپہ چھنکتی تھی۔ لیکن گرمیرو آجانی تو کچھ سال ہی سو جاتا۔  
 خٹک کی آواز میں سنہا۔ وہ راز دکھلا۔ اگلے لمحے میں وہ سامنے تھی۔ مجھے ہواڑ۔ پرایتا وہ پا کر وہ مشتہرہ گئی۔  
 ”کیا۔۔۔۔۔“ میں نے جبکہ کراس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے شرارت سے کہا تو وہ اس میں لوٹی۔

”آپ۔۔۔۔۔؟“

اس کی سیاہ آنکھیں قطرے پھیل گئی تھیں۔ وہ۔۔۔۔۔ ہاتھوں میں وہ جو دوسرا ہے کہ پینے کی رحمت نہیں کر رہی تھی۔  
 ”جی۔ میں۔“ میں نے بے صافٹیاں سے کہتے ہوئے قدم آگے نہ جانے تو وہ دکھلا گئی۔  
 ”آپ کیا کرتے ہیں؟“

”تم سے ملنے آیا ہوں۔“ میں شور سکوں غدار میں کہتا اس کے قریب سے ہو کر وہ بڑھ چلی ہوئی۔

”نہیں۔ ڈائیزا“ وہ ہلکتی میرے پیچھے نکلی۔ میں اس وقت تک گھن میں کھڑا اس جھوٹے ٹکڑے صاف تھوڑے سے ٹکڑے کا بازار لے رہا تھا۔

’میں نہیں۔ اطہریاں سے جھوٹا تھا اور ہر سنوہ رہتا۔“ میں شرارتی لہجے میں بولا تو وہ جھپٹا کر کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ اس سے غدار زیرینہ نکلتی تھیں۔ وہ بھی مجھے دیکھ کر جراس رہتی تھیں۔ میں نے انہیں  
 ملامت کیا تو انہوں نے حسبِ حادثہ ذی بہت سے میرے ہتھکڑے ہاتھ دیکھا۔

”یہ مانی جاں نے کچھ جھگی ہے۔“ میں نے بلے آگے نہ جانے۔

مرو کے چلتے سے جا اختیار گیری سانس ملی۔ وہ ہر جھنگلی آگے بڑھی اور مجھے کھور جے سوے پایہ لئے باورچی خانے میں چلی گئی۔ میں سکرا رہا۔ بڑے غدار زیرینہ کے ساتھ وہ تھا۔ میں آ گیا۔

اس کی ایک جھک دیکھنے کے بعد مجھے اگلے چند روپے میں منت تک خار کی باتیں سنائی دیتی تھیں۔ وہ بے چارہ سی سیدھی۔ مانی خاتون تھیں۔ ایک بات شروع کر تھیں اور پھر اس میں سے ہی کئی باتیں نکال

لیکن میں مل ہی دل میں غنا کا سانس لے رہی تھی۔ ہاتھ دوڑا کر کوساس لیے کے لئے تمہیں تو میں، خود کفر تھا۔  
”اے میں چٹا ہوں“

”تمنازی جی سون چھبیس لگی۔ میں لگی بس چارٹناں پکڑنی سو نے ہی ہوا تھی۔“ مصر کا کام تو میں بھی نکل جاتا تھا۔ ”تو چنانچہ رانی کرتی میرے ساتھ ہی باہر آ گئیں۔ میں دوری دوری میں بھی گفتیں بھیج رہا تھا۔“

میں ان کے تہائی "تم حلقہ تک نہ جا۔ بہت محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ تو نماز پڑھنے لگیں جبکہ مرد بمشکل ہمارے ہی خانے سے برآمد ہوئی تھی۔ اس نے غلام ہادی سے پیسے مانگے۔ ہر کوئی میرے ہاتھ میں تھمایا تو میں نے گھبراتے ہوئے ہاتھ دیا۔ وہ ہمارے ہونڈ کرنے کے لیے میرے پیچھے تھی۔ وہاں تک پہنچی کہ میں بھگت چلاؤ بمشکل مجھ سے کمرانے سے بچی۔

”اب گئی اگر تم پر بھی کمر میں بند بٹھی۔ میں تو میں مگر آج اس کا ہوا گلی کسی جانے سے نہیں آؤں گا، کچھ شاید تمہیں اپنی بچھڑ کے سامنے کوئی مہمان ہمارا جائے۔“

میں نے اسے دھکاتے ہوئے ہاں کی راضی تو اس نے جڑ بڑا کر دوش میں آتے ہوئے زور سے میرے پیچھے دھاڑ بھند پارتا۔ مجھے اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا اس لئے مابقی کا سر بہت خوش کا تھا۔

اگلی صبح وہ صبح میں ہو جوتھی۔ ممانی جان اندر گئیں تو میں موقع پا کر ان دونوں ”کچی“ سلیپوں کے پاس آ بیٹھا۔ میری چاک آندر وہ دونوں چپ ہو گئیں۔

”خیر۔ تھو“ نے کہا ”میں بہت ہی کچھ چھو تو میں طبعیت سے ہوں۔“

”بالکل۔ اور آپ کی فہم ایک مظلوم ہے۔“ میر میں نے جاگوں سے جا ب سوئے کا اشارہ دیا۔  
”میری بی بی یہی سہنا ہلدی سے اسکا کٹھن بنا کر لائے گی۔“ یہ نہ چاہے سوئے گی وہاں سے اٹھتی تھی۔  
میں ج. بی. طر حمر وکی طر ف چاہے جو اس سے بہت بے نیاز تھی بلنگی تھی۔

”اب اگر میں چاہوں کہ سوچے کس طرف سے نکلا ہے تو تم کیا کہو گی؟“ میں نے ثمرات سے پوچھا مگر وہ مسکراتی تک نہیں بلکہ بڑی لمبائیت سے ہوئی۔  
”میں چھوڑ دوں گا۔“

”اور جو سچہ مکمل کیا جاساں کا قصہ کوئی خیال نہیں؟“ میں نے معنی خیزی سے کہا تو انہی کا ہنر دے ہوئے اگی اس کے چہرے پر ملکی سی سرخی دوڑ گئی۔  
”کس بار میں کہہ رہی تھی؟ آپ؟“

میں نے ہند لیے خاموشی دہرا کر اٹھا ٹکا کھینچے کے، پھر چمکی آواز میں بدلا۔

”نہر مانی، ماہی تو مت نہرو۔“

”آپ، پلیز! مجھے صبر میں کہیں۔“ وہ ہنسی سے مجھے کوک لگی تو میں اٹھ رہی اور تھکا لگائی۔ مگر میں نے خود کو اسی خوش گوار دوا میں رکھ کر کہہ دیا: ”میں نے مجھے نہیں تھا کہ میری کامیابی کا اہمکار ہے۔“  
”مجھی پتہ نہیں کیوں؟“

”قد غن کی یہ بات ہے؟“ میں نے کہی آپ کو پہچن دیا ہی نہیں۔ ”وہ بہت جہیزیت سے کہہ رہی تھی۔“

”ستارہ تم بھول رہی ہو کہ تمہارا پہلا تعارف یہ تھا۔ میری تو تم بعد میں بنی ہو۔“ میں نے کھٹکائی سونٹوں پر مسکراہٹ چپکار رکھی تھی۔

”مگر اسے سن گئی ہوں۔ اور یہ آپ کو اگلی معلوم ہو چکا ہے۔“ اس نے جھٹکایا کہ اسے میری بے تکلفی پسند نہیں ہے۔ مگر میں نے ہار نہیں مانی۔

”اٹنی سہ.....“ میں گہری ماس لے کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولے۔ ”اگر میں یہ حق دینا چاہوں، تو؟“

”دیکھیں، میں سن رہی ہوں کہ آپ نے اسے میری مانی اس لئے برا ہے میری مانی آپ اس قسم کی کوئی کوشش بھی مت کریں۔“

اس کی بارہ ترش رہی سے ہوئی تھی۔ میرے اندر کا اہم سہارا کھڑ سا ہر سہارا ہونے لگا۔ جسے تھکتے تھکتے میرا سہارا بن گیا۔ وہ بے لگا تھا۔

”عجب فصولیات میں آپ سے تھوڑے مگر بڑے مہر کی ہلی ماس؟ یہ تو آفاقی جد بہ جد رشتہ کی طرف سے دلوں میں ڈارا جاتا ہے۔ اس کی شہرینی، اس کی چٹائی، ہر جا دھڑکی سے کون اٹکاؤں کا ہے؟  
 ہاں، البتہ اگر تم اس حقیقت سے خود ہی غریب ہو جاؤ تو چاہا جاتا ہے نام و نشان سے۔“ میں بے حد سگ کر ڈالتا تھا۔

”میں نے کہا تھا، کہ میں ان فصولیات کو نہیں مانتی۔“

”مگر تمہیں کیا سہا سہا۔“

میں نے پہلے ہی سے کہا تو وہ ہنسنا سیاما داز میں پڑی۔

”اگر میں بھی ایسی ہوں۔“

”تو۔“ میں نے ہر قسم کی پوری شدت پر۔ جد بہ جد کے ساتھ ہی کہا۔ ”تو میں اپنی زندگی تمہارے نام لکھ دوں گا۔“

یہ کہیں تک وہ خاموشی سے مہر کی طرف دیکھتی رہی۔ مجھے یوں لگا، جیسے ہر کی چٹائی کو جانچنا چاہ رہی ہو اس لئے میں نے اس کی کوشش باکام کرنے کی خاطر بڑی بے باکی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں مال کے پیکٹ شروع کر دیا۔

اب کچھ بھی سوچتی تو ہر ایک فزکس لڑکی سی ما..... میری شہر پر مہر کی کما کے اس کی دماغت کے بند کہاں تمام روکتے تھے۔ نو بھری میں وہ ہیکس جھپک کر ساتھ ہی چڑھ گئی۔ اس نو بھرے  
 موشوں پر پہلے ہی مسکراہٹ بھینا بے حد ناظرانہ تھی۔

”میری ہر ما تمہارا دل لال۔ ہر مل مجھے ہے دماغ میں لئے رکھتا ہے اسے تم یا کبھی؟“

”یہ سب تو.....“ وہ کمر و لہجے میں کچھ کہنے کی تھی کہ میں اس کی بات کاٹ گیا۔

یہ تو کوشش نہیں ہے ہر ما مجھے کھینچنے کی کوشش کر رہا۔ ہر۔۔۔ لے لے لیاں ہی جی نہیں ہیں۔ اس کو لے لے کر کالٹا۔ اب یہ بھری تک میں لڑکیوں سے مہر کی لڑ پڑ رہی ہے۔ لیکن بقیں ما تو کو اپنی

یہ کیفیت خوب ہے۔ لے بھی بہت سی سونا مانوس ہے۔ اس کی قیمت سے ماہانہ قسط کے باوجود میرا مدد ان کہتا ہے کہ یہ وہی رقم نہیں ملتا جتنے ہے۔ یہ قسطی کٹش سے سوا کچھ ہے۔ وہ "میں انھوں کے چاہا میں بعد احتیاط سے کام لیتا، بعد غمیر۔ سوئے لہجے میں سے چہرے پر لکھ رہا تھا۔

اور تھی مگر "وہ کیا؟..... کیا ایک ماڈل سی لڑکی۔

اور یہاں میرے لئے کوئی فی حقوی تھی ۱۲ سے سال ہر گے تھے مجھے بہت کامروائی سے اس قانون کو برا ہے سوئے۔ بچیک تھا کہ میری ڈاڑھی پر۔ تعلیمی لیوے میں ایک بہت حسین اور لائق اسٹوڈنٹ کے طور پر رہی تھی۔ مگر ساتھ ہی جو بڑے لڑکیوں میں شامل بلکہ سخی پسند اور تھی تھی وہ میری فائینش کی ماہ تھی۔

پھر بھی لڑکیاں میری "بانٹ اور پستلین" سے متاثر ہو کر میری طرف کشش پٹی آئی تھیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ یہ فائینش محض لڑکیوں کو باتوں سے بے خوف بنانے والی کی شریں بیٹے کی حد تک ہی تھی۔ اس سے آگے کی طرف تھے۔ یہ لڑکیاں تھیں۔ مگر یہاں نہ تو تھی کہ میری مٹی میں اس "ڈراما" نہ تھا۔ یہی تھی، جو کہ مجھے ایک غلطی لگ رہا تھا۔

"ٹھنڈا نام۔"

تو "ہج" سٹیج چاندی خاموشی کو باریک شرف آواز نے توڑا تھا۔ میں نے کہا میں کن انداز میں اسے دیکھا تو وہ انکشاف کا جگہ اس صبر پر دیکھتے ہوئے میری طرف مڑی۔

"میرے پلیز!..... مان جاؤ، جو سمانی کہہ رہے ہیں۔"

جواب میں نے "ہج" کو دیکھا تھا۔

"میرے پلیز!..... دیکھنا کہ تمہاری فائینش کی تھیں ان کی کاسٹ ہے۔ میں تو نہیں، جتنے قتل سے کہتے ہیں۔ جواب۔"

اس کی ہنسی انکشاف نہیں کرو۔ "تو مگر نہ کیا کر لیں تھی۔ میں بس دیا تو وہ چھٹی مسکراہٹ کے ساتھ ملاحظہ ہوئی۔

"میرے مطلب وہ سنا تھا۔"

”جی تو میں کہہ ہاں کہیں اب سے کہ تیری ان تمام باتوں کے مرہی مطالب ہیں۔ مگر تم کچھ سمجھنے کو تیار بھی نہیں ہو۔“  
میں گلاس میں سکواٹش اٹھ بٹا، وہ مٹی انداز میں دو دو تو وہ جھجک کر چپ رہ گئی۔

”یہ..... تیری وقتی کھام۔“

میں سکواٹش کا گلاس میں کی طرف بڑھتا اے آؤٹسٹ میں ڈال گیا تو وہ ٹپٹا کر بنا کو کہنے لگی۔ جواہر نے مسکسی سی ٹیٹل نا کر منت بھرے انداز میں رہا لیا تو اس نے بے اختیار اٹھا نے مٹی مسکراہٹ کو دانتوں تلے اب، با کر وہ گلاس تمام ہوا۔ مگر بھی لکھ بھر گلاس کے رخساروں کی شفق نے میری نظر کو بکھر نے کیا گستاخی کی تھی۔ لیکن تب میں ان باتوں کو درخور امتنا ہی کہہ جاتا تھا۔ اس لئے وہ لکھ پونجی پھر گزرتا رہا۔

بکھور کے بعد میری باتوں، یا کی شوخیوں اور مرہ کی جھجک باتوں سے وہ تانہ ڈھایا ہوا ہو چکی تھی۔



کھجلی طرف کے تھوٹوں سے بکھڑوہ کا سارا تھا، جہاں گرمیوں کی راتیں بہت ٹپ سے سوتی تھیں۔ بہت منت و تاجرت کے بعد میں مرہ کو ہاں سے لے گیا تھا۔ یا نے مجھے مرہ کو کھر جھوڑا نے کو کہا تھا مگر میں نے راستے ہی میں رخ پگھڑی کی طرف کیا تو وہ بے چارگی سے ہوئی۔

”مرہ پلین..... ساتھی مرہ ہو رہی ہے۔“ وہ جتنی ہی ڈر رہے تھی۔ بہادری کا چوڑا تو میرے ہال میں سمجھتی ہی اس سے اتار پھیر کا تھا۔

”بس اس بندہ منت..... چلو صرف پانچ ساتے منت۔“ میں نے ”وہی بندہ منت تیرا اس کی رنگت دیکھ کر فوراً نام میں تھنیک کی تو وہ ہر وجہی سے چلتی مرہ سے رہا آ گئی۔

وہ پورے چاند کی رات تھی۔

برقی نور میں نہانی سوتی تھی۔



وہ قدرے جھجک رہی تھی۔ سناچا سے کسی کے نوکچہ اپنے کھنڈر ہو۔ مگر میں اس تمام بدعات سے بے نیاز تھا۔ یہ سب اوبام تو مجھے تب سنا تے، جب مجھے بھی اس سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔  
 دھیرے دھیرے پتے پانی میں پام کا طس ڈال رہا تھا۔ زور دہانہ فی ماہر کے پانی کو بھی سونا جاری تھی۔  
 ہم دونوں ہم کے کنارے آئے، سامنے بیٹھ گئے۔

کوئی بدو نہ اس قدر دل میں ترانے والا بھی ہو سکتا ہے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ میں مسراؤں سا پام کے طس پر نخریں مارتے بیٹھا تھا۔ نا کچھ بولے نا کچھ کہے۔ کتنی ہی محبت گئی۔  
 لکھوں کا نکتہ دل پر عجیب طرح سے اثر انداز ہو رہا تھا۔ میں نے پانی میں ڈالتے پام کے طس پر سے نخریں بنا کر اسے دیکھا۔ وہ آنکھوں کے گرد ہاتھ پام سے مسکت بیٹھی تھی۔ اس کی توجہ کامرگز بھی  
 پام کا طس ہی تھا، جو اس وقت ساحر بنا مسراؤں کر رہا تھا۔

وہ سیالہ اس میں لپوس لگی۔ اس کا وہ پتہ آدھا سناٹا نے ہی اور آدھا گود میں چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بعد سیاہ چٹیلے بال ستانوں پر بکھر گئے۔ وہیں سات بیٹھی، مہرئی تیراوی لگ رہی تھی۔ ایک عجیب سا  
 حرف امیر کسے اسے سمجھے۔ سوئے تھا۔ اس قدر رعنائی اور فرحت۔ چند لمحوں کے لئے مجھے یوں لگا۔ جیسے ہر طرف صرف وہی ہے۔ اسی ملی کے حصار میں تھرکریں نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھما تو وہ بے  
 حد رونک کر بچھو دیکھنے لگی۔

اب مجھے بھی لگ رہا ہے اس کی طرح۔ مجھ پر بہت اثر کر رہی ہے۔ مگر ایک مہر کو ایسی باتوں کا ہوتا خیال آسکتا ہے تاکہ ہی مجھے بھی کیا تھا۔ اس کے بعد میں نے میں اس لکھوں کا نچوئے نہ شروع کر دیا۔ اس  
 نے آہنگی سے ہاتھ ہاتھ کیچھا تھا۔ وہ بہت ساوکی مگر عجیب سے کمد رہی تھی۔

”میں نے خود کو بہت کمزور اور بد دل لڑکیوں سے مختلف سمجھا تھا مگر مجھے اب احساس ملا ہے کہ ہم لڑکیاں ایک ہی سوئی ہیں۔ جیسا ہے بہت ماڈ ہوں، بولتے ہوں، بد دل ہوں یا بے طرف ہوں، بد دل رہی  
 ہیں۔ ایک ہی شکل سے کچھنے والی۔ خوب صورت آئی، سچے فنکاروں سے مسراؤں نے فعلی۔“

اس نے زبک کر ایک مگر ہی مانس اور کچھنی تھی۔ وہ جیسے اچھی ابھی کی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ یہ بات میں بے تکلفی کے ذرا دیر سے محسوس کر رہا تھا۔





بظاہر میں نے اشتیاقی سے پوچھا حالانکہ اندر سے میرا یہ حال تھا کہ یہی چاہ رہا تھا کہ اس لہلی کی نہانی رکھنوں کو میرا اس کی بےوقوفی پر ٹوٹ کر قہقہہ لگائیں تاکہ اسے لگے کہ بےوقوف نہ بنائے جائے گا ابھی طرح علم سونے سے بھی پتہ چلے کہ ان نوازنی آسان نہیں ہے۔

اس کی خاموشی میں نے پھر سے پوچھا۔ "تاکہ..... کیا اس کا نام ہے؟"

اور اس نے ٹھیک کر صرف ایک، اس ایک ہی کتاب کا نام پڑائی تھی اور میں وہیں کا تھاں دیکھ گیا تھا۔

وہ دیکھوئی نہیں تھی مگر مجھے خود بخود وہ پتہ چل گیا تھا۔

میرے بعد ان ایسٹ پلیٹ کرچے سے کہہ رہا تھا کہ اس نے خالقِ تحریر سے مجھے مانگا تھا۔

میں خبر کر کے لگا اس اڑانا تیرہ قدموں سے چلتا اس سے آگے نکل گیا۔ پتہ نہیں کیوں میرے اندر شعور، مہذبیت اور بے چینی بھر نے لگی تھی۔ باقی تمام راستے میں وہ میں نے اس سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ بھی جانے کن سوچوں میں غرق چلتی رہی۔ حتیٰ کہ خاندان کے بار بار آگیا۔



یہ میری ہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ چھپنوں کے آخری دنوں میں مال و مرغان کی بات کی سوری تھی۔

میں بے حد خوش تھا۔ کیونکہ انی ماہ اور دو۔ سہائی کے ساتھ معافی و مرآئی لگی آئی تھیں۔ ماسوں کا کھر بھر سا گیا تھا۔

نہ ماسوں نہ مال کو منگنی والے نہ ماسوں کا تھوڑا سا نمبر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر میری ہڈیوں میں گھبراہٹ ہو گئی تھی۔ بات اور جب نہانی کے بل بوتے پر سر کیا تھا، جس کے لیے بال میرا بہت مطلوب تھا۔

میں آئی کو مارنے کے لئے تیزی سے باہر تہی خانے میں داخل ہوا تھا۔ ہنگامی طور سے بہت بری طرح ٹکرا گیا۔ اس کی چوڑیوں پر ماری کاٹنی میرے لیے بگڑ چکی تھی۔ جہانیاں نوٹے روٹے چمک رہی تھیں۔

وہ بگڑ چکی تھی۔ یہ بھی سنی تھی۔

نظر بھر کو تو میں نگہ ہی نہ کیا۔

شعبہ ن کے سفید لباس میں لمبوس، دونوں کھڑوں میں سفید عینہ لٹیاں پہنے ہوئے اور ہاتھ سائٹا پیرا کر رہی تھی، جیسے کوئی بھولی سنگی تیز آوی۔ اس سے مجھے خود کو سنبھالنا بعد مشکل کا ٹکڑا میں فوراً ہی آتی کی طرف پلٹ آیا، جاس مارے سے بہت غصہ ہو رہی تھی۔

”باہر چل کے اپنے تہذیب کو سنبھالیں۔۔۔ وہ کہ اس نے سارا نیٹ سر ہاتھ مار لیا ہے۔ دیکھا بھائی تک ہوائے بھر رہے ہیں۔“ میں اس کی فہمی بڑھ کر غصے سے ہلا۔ ایک مقصدیائی کیفیت کو محسوس کر رہا تھا۔ آتی مسکرا بہ دل نے کاتھک کے نصیرا بہ نکل گئیں۔ وہ اس تار میں زمین پر بکھری ہوئی چوڑیاں سب نکل گئی۔

”ان کا کیا کر رہا ہے؟“ میں غصے کے سر پہ کھنکھاروں کی گرفت میں لیتے ہوئے پوچھا۔ مجھے تب شعور ہی کہاں تھا کہ موت کی سکہاں تمہاری بن کر رہیں جا کر وہ اس کی بھیاں بن جاتی ہے۔ وہ میرے لئے نیٹا انجوائے منت تھی۔

اور بہت تھوڑا ہی وقت رہ گیا تھا کہ میں اس پر مہلک کروتا کہ ہر نواز سے یہ خوف نہ آیا ہے۔

”اسے حسیل پر توڑ کر سنا ہے محبت مانی جاتی ہے۔“ وہ مسکراتی تو میں نے ٹانہ چٹکائے۔ اس نے جیڑی کا ٹکڑا اپنی شگاف گھاٹی حسیل پر رکھ کر نکلے سے دباؤ سے قولا۔ محبت تو ایسا مانی جاتی، کافج کا ٹکڑا اس کی حسیل میں بچہ ست نہ لیا۔ وہ صاف سر کر مجھے دیکھنے لگی۔ نظر بھر کو میں گئی پیرا کیا۔

”دیکھا۔۔۔۔۔ کتنی گہری محبت ہے تمہاری؟“ میں اس کے سر پر چہرہ لگا لگا کر نکل گیا اور سکون کی سانس لی۔

”وہ تک ہم سب نے خوب دھڑکڑائی بچائے رکھی۔“

اسی اتار میں نائے آتی کھڑو سے متعلق بنا لیا۔ آپ وہ بھائی میرے پیچھے نہ گئیں۔

پہلے تو آتی نے مجھے خوب ڈانٹ ڈبکت کی۔ ان کے خیال میں ابھی اس پتھر میں رہنے کی میری عمر نہیں تھی۔ پھر بھائی نے میری دلالت کی تو آتی بھی مشتت نہ گئیں۔

”وہیہاگر ہیں سو جائے تو اچھا ہی ہے۔ چمک میں توہر کو کوئی خطرہ نہیں رکھیں گی۔ بہت اچھی جہاز تھو۔ سورت تھی۔“

”خدا کے لئے آمین، بھائی، آپ لوگ کس کی باتوں میں آ رہی ہیں؟“ میں نے صاف ”جے سوئے“ کے آگے ہاتھ جوڑے تو وہ جت سے مجھ کو دیکھنے لگیں۔

”نئی کامیں چلے تو وہاں پر اچھی اور کچی کھانے کی مشاوری مجھ سے کرو۔ اور میں بھلا یہاں پاگل ہیں کہ کس کس؟“ ابھی تو مجھے اپنی اپنی حالتیں معلوم کرنا ہے اور اس کے بعد میں سنبھالنا ہے۔  
”جہاز جو نہیں تھی اس لئے میرا ساتھ آسان ہے۔ سو تھا۔ اگر وہ سنی تو ایک قیامت بٹا سکتی سنی۔“

میرے بہت سے حصوں اور دلوں کی کو تو وہ تھی تھی اور میں نے آپ اس سے کچھ چھپا رکھا تھا۔ لیکن یہ بات تھی کہ میں نے ایک ٹی کو بھی پتہ نہیں کے دراصل سے متعلق کچھ نہیں سوچا تھا۔ ایک لمحے کو یہ سوچا۔ میں میں آتی تو میں نے صبح کے نقشے میں سرشار سر جھٹک دیا۔

اس کا رویہ اس بھی وہی ہوگا، جو میرا تھا اس خیال میں کسی نہ کسی کو تو شکستہ داشتہ کرنا ہی پڑتی ہے۔ اب یہاں تک ہے کہ میں نے اس کی زندگی بھر نہیں جان پائے گی کہ اس نے کبھی مجھے بے یقین کیا تھا۔ میں اپنی بات پر بہت خوش تھا۔ میں نے بے حد موقع پر بازی چلانی تھی۔

آئیہا اور بھائی کو میں نے کسی بھی قسم کے ”مرا“ سے جتنی سے متعلق کر دیا۔ بھلا میں خود یہ ماہی ہونے والی بیٹی لاسکا تھا؟

تیسرے دن سب کے ساتھ میں نے کبھی سلامان بندھا لیا تو یہاں مجھ سے جھگڑنے لگی۔ مگر میری محبوبی سامنے کی بات تھی کہ پتھریاں تھم اور ہی تھیں۔ ناگھ سے کچھ کرنا چاہ رہی تھی۔ ”یقیناً وہ ہر سے متعلق بات ہے، چاہ رہی تھی۔ مگر میں سب کے درمیان میں سرور فرما کر وہ بھی کھلی ہو گئی۔“

میں میں توہر میں ملی ماس کے ہونے پر اس کی شکستہ کی ڈا سے سنا چاہتا تھا۔ مگر پتھیں کیا سوچ کر میں نے ساری بات تفصیل سے بال کرنا دانی۔ وہ ششدر مجھ کو دیکھتا رہا۔ غر میں اس قدر مسکین۔  
سرشار تھا کہ مجھے کسی کی بھی پہچان نہیں تھی۔ اب میری وہ نفس میری ہر سرشار تھی اس کی کسی قسم کا کوئی بار نہ تھا۔

اور بھر طویل چار سال جیسے دنوں میں گزر گئے۔

میں نے بڑا تھل چلوں کہ کھل کر بچکانہ من چڑے، چنانچہ جواہی۔

چہارادہ ہری نظر کوئی نواسا ستارہ تلاش کر رہی تھی۔

”نعمہ.....“

مجھے اس ایک نام سے جڑی شرارتیں ہر بے خوفیوں یا آئے ٹنگیں تو بے ساختہ مسکراہٹ نے میرے ہونٹوں کا قہقہہ اٹھ کر لیا۔

شاید کہ بھڑکے کے باوجود بس میں نہیں رو پلایا تو باوجود حاکم ہال کہ چھوڑا ۱۱۰۔ ۱۰۰ جڑیاں کر چاک کیا۔

”کیا تکلیف ہے؟“ اس نے زینہ سے سرخ سونے آنکھوں سے مجھے دیکھا۔

”یار اونی کی سب سے کچی کھلی کا کیا ہوا؟“

میرے چہرہ تجسس کے جواب میں دوچکر کر گیا۔

”اس کا مطلب اسے یاد کر لے لیا ہے۔ ماما بڑا نام تھا اس کا۔ جی۔ پاس کا پاس تک نہیں ہے۔“

”وہ ملی انسان امیں ہر وہی ہاتھ کر پاہوں۔“ میں نے اسے ٹھکڑا تو وہ چپ ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔

”ڈر امی! حمل جوالا، دیکھ لو کہیں کی آگیا تھی۔“ میں نے اسے بھانسنے کی خاطر حائلے لے پے جو کہ بہت مستعد تھے۔

”نعمہ..... میری ہاتھ کر رہے سو؟“ وہ بہت شہید و قتلہ جب کہ میں اتنی ہی شہنی میں تھا۔

”اور کن یار..... وہی لڑکیوں کا چار۔“







”جوہر گئی سوئی، ہمارا نواز“ دل کی گھڑائیوں سے ایک صدی ابھری تھی۔ گزرے وقت نے مجھے اتنا تو شعور بخش ہی دیا تھا کہ۔ میں لڑکیوں کی فیسوں کے متعلق گھبراہٹ کر رہا تھا۔  
 میرے سچے دل میں سنا رہی تھی سوئی تو میں نے، یکساں مانوا پنا میرے سچوں سے گزری تھی۔ بے اختیار بیٹھ کر میں نے اس کی بے شمار ام جلد پر ہاتھ بھرے سوئے بے ہوش گھٹی کی۔  
 ”ماں وہ یہ کہاں ہے؟“ وہ انکی ہی آواز کے ساتھ مجھ کو کہنے لگی۔ میں اس بل ہارے سوئے جوار کی کی کی کیفیت میں تھا۔

نہ مری تو نہیں کہ وہ میرا نہ ہے۔ اس قدم پر مجھ کو بولی سو۔ کوئی کمرہ بل جھنکا بھی سوسکتا ہے۔ اور پھر اپنے قول، فعل کی وہ خود مدد تھی، میں نہیں۔  
 جری رات بے خوابی میں گزارنے کے بعد بھی میں حقیقت سے نظر میں آئے رہا کیونکہ میں خود ہر اس درم حالی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں سو رہا۔  
 صبح کے قریب میری آنکھ لگی تو میرا دل کے چھوٹے نے ہی تھا۔

”انہو جاتے۔۔۔ سوئے سر پر آ گیا ہے۔“

”سوئے وہ بال اور غور کو سوئے سے تھپتھپت وہ۔ ہاں، یہی گھڑی کہہ لو، سر پر آ گئی ہے۔“ میں نے فریڈ میں کہتے سوئے چار، پندرہ گھنٹوں کی۔ میری فریڈ ابھی جری نہیں سوئی تھی، مگر اس نے جب تک مجھے  
 چاہا نہیں لیا، اسے بھی نہیں لیا۔ آخری ترے کے طور پر اس نے جا کر کھینچی لی تھی۔ سوئے کی تنہا میں میری آنکھوں کو جھکایا کہیں۔ میں نے تھپتھپتہ۔۔۔ پر کھینچی کی کوشش کی تو وہ انکی دل نے اپنی تھوڑی  
 میں لے لیا۔

”صحبت، ماں؟“ میں نے اس میں کہا، جاتا اس کے پیچھے پکا تو وہ پیچھے بھاگ گیا۔

اب فریڈ بھاگ ہی چکی تھی، اس لئے میں غصہ ہی آج کے ستر کو دیکھتا بیٹھا گیا۔ جاتو درم سے غار، گھر، جب تک میں باورچی خانے میں بیٹھا ہوں۔ ہاں جاننا شکر کہ اسنو چاہئے تھے۔ مانی جان  
 برآمد۔ میں کئی جا کر کڑھنے چٹنی سوئی تھیں۔ لالہ ان کے پاس بیٹھا تھا۔ مجھے باورچی خانے میں داخل ہونا دیکھ کر اسے کئی موقع مل گیا۔ جانا ناشی سے ہاتھ دھوئے، میں سر ہٹ گئی۔ ساتھ ہی  
 دوسرے۔۔۔ اس نے چائے چکر کے تھرا میں ڈال دی، آلیٹ کے لئے جاکر آئے گی۔ باورچی خانے میں جیپ ہی نہ توٹی کھلی سوئی تھی، یا شاید مجھے ہی یہاں سے سو رہا تھا۔ ہوں گے رہا

تھا، جیسے ہم نہیں، ایک دوسرے کے لئے بالکل جتنی ہیں جس کے پاس آہیں میں ہا تھا، نے کے لئے کوئی ہا تھا نہیں۔  
”تمہیں نہیں لگتا کہ اس گھر میں بے حد سکون آ رہا ہے؟“

میں نے اُسے اور کے شہر اور ہا کی خاموشی سے کچھ آکر بول کر خوشگوار ادا میں متوجہ کیا تو ہماری ہا تھکتے ہوئے مسکرایا۔  
”ہاں، جی... لوگ اب بہت عجیبہ رہ گئے ہیں۔“  
”اور مجھ پر بھی۔“ میں نے لڑکھایا تو ہا لڑکھا۔  
”خیر، اب اتنی لمبی دوست محمد زو۔“

”کوئی لوٹا؟ یہ بلال کہہ رہا ہے، میں نہیں۔“ میں نے بنا کو مخاطب کیا تو ہا ایک نظر مجھ پر ڈال کر فراموشی میں غڑاں کا اہمیز خاطر پڑے گی۔ میرے اُسامے تن سے گئے۔ ہا کارڈیہ بہت دوسلہ اٹھ گیا۔ وہ  
مبالغہ طور پر مجھے غم گھبراہٹ سی تھی۔ زبان سے نہیں کہہ ہی تھی مگر اس کے ہر اواز سے ظاہر سوراہا کا اکل حقیقت کیا ہے۔  
”یاقم یہ چاہتی ہو کہ میں یہاں سے چلا جاؤں؟“ میں نے بے حد عجیبی سے کہا تو وہ مجھ کو دیکھتے ہوئے اطمینان سے بولی۔  
”یہ آپ کے ہاں کا گھر ہے، میں کیوں یہاں چاہنے لگی؟“

اس کی ہا تھ مجھے خانوں میں ڈھکیل کر کہہ گئے اطمینان سے اس نے حنا دیا تھا کہ اگر پاس ہا گھر ہوتا تو وہاں چاہا ہوا ہوتا تھی۔  
”ہاں، چھپے ہوئے سے بہتر ہے کہ تم مکمل کر کو بول، جو بھی کہنا چاہتی ہو۔“ میں ہنسنے لگی تھی۔

”آپ چاہنا چاہتے ہیں؟“ اس نے اسی ادا میں کہنے کوئے ہا میں اکیٹ ٹھل زمرے کی طرف سرکا دیا، دوسری ہا ہا مال کے آگے کھڑی ہوئی جو خاموشی سے ہماری ہا میں رہا تھا۔  
”ہی سننا چاہتا ہوں، میں نے تمہارا دیرینہ رول رکھ دیا ہے۔ تم مکمل مغرور ہوں گے کہل جو تے یہ کہانی دنا ہے، جی نہیں ہو۔“ میرے ادا میں غریب سا طرز آیا۔ چندا توں تک وہ مجھے جانتی رہی۔ میں اندر

ہی اس کی مصیبتوں پر بہت حیران ہو رہا تھا۔

”یہ منہ نہیں، ایک تلخ حقیقت ہے۔ آپ نے نکاح مجھ سے میری بہتر دوست ہی نہیں، میرا بھائی بھی چھین لیا ہے۔“

قدرے خوف کے بعد وہ ہر جھکا کر بولی تو اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ لکڑی بھر کو میں سو رہا تھا۔ وہ بات جو بول کی زبان سے نکلی تھی، اس کے لیے ایک دھشت داک سیانی کے طور پر محسوس ہوئی تھی۔ عمر میں یا بھی سمجھ رہا تھا کہ اگر میں نے پونہ چپ چاپ رہنا کر دیا تو یہ لازم مجھ پر ہوتا ہے۔ یہ بھی سوچا ہے۔

”تم شخص لازم تراشی کر رہی ہو، نہ پھر۔“ لہجے میں تھنسی آواز آئی تو وہ کھنگلی آنکھوں سے مجھ کو دیکھتے ہوئے تکی سے بولی۔

”وہ ہر جگہ ہے اس سے بڑھ کر چانی کیا سوتی؟“

اس کے اس چپ چاپ ہونے پر مجھے ہنسنا بہت مشکل لگا مگر مجھے پتہ تھا کہ اپنی نکالت خود مجھ ہی کو کرتی تھی۔

”تو یہ کیسے؟“ وہ آواز دہرائی۔ ”ہے۔۔۔“ ”بہت غصے سے کہتے ہوئے تھی۔ یہ سچ لگا تھا۔

”مگر میں جانتی ہوں۔ ہر کوئی پہچانتی ہی نہیں۔“ وہ غصے میں آ کر جینوں تو میں ٹانگہ سونگیا۔ ”تا نے زندگی میں کسی مجھ سے اتنی بد تمیزی سے بات نہیں کی تھی۔

یہ بات دیکھنا لگا، کبھی محسوس ہوتی تھی۔ اسی لئے وہاں گھڑی سے اسے ٹوک رہا تھا۔

”تجربہ سے بات کر، یہاں کوئی حد بات نہیں ہے۔“

”اُنہیں تو واقعی حد بات میں لے ہلا چاہئے۔“ وہ اب بھی ای بگڑے ہوئے انداز میں بولی تو میں نے اپنی کندھیاں سلگتی محسوس کیں۔

”تم مجھے کوئی لازم نہیں دے سکتیں۔ اگر اس نے خودکشی کی بھی جتنی یا اس کی اپنی کمزوری تھی۔ میں نے تو اس سے یہاں کچھ نہ لے کر نہیں کہا۔“

”مگر اس شخص کب سے اسے بھی تو آپ ہی تھے۔“ وہ بے ہوشی سے بولی تو میں نے بھی اسی کے سے انداز میں کہا۔

”میں نے بھی سے اتنا ہی بہتوں کا ہاتھ جھکا اس نے مجھے۔“

”تمراپ نے اس کا جلد ہاتھ اٹھالیا تھا۔ ایک لڑکی کے لئے اس سے زیادہ بات ہو سکتی ہے۔“

”کب رہا تھا کہ اس نے مجھے نرم ٹھہرانا یاد دی ہے اور یہ بات میری ہنسنے کو مزید نہ ملدی تھی۔“

”ایسی لڑکیوں کو بات نہ سنانے سے پہلے سوچنا چاہئے۔“ میں سگ کر بیٹھ تو وہ دیکھا اٹھی۔

”ایسی لڑکیوں سے کیا مراد ہے آپ کی؟“ کیا وہ لڑکی تھی؟..... دھیر تو بہت تھی۔ بھی میں ہوں۔ وہ بھی ایسی ہی تھی۔“

”میں سے کیا نہیں کہہ رہا۔“ مجھے بھی یاد آ رہی تھی۔ ”مگر میں ہر حال اس سے اتفاق نہ کرتا تھا۔“

”وہ اتفاق تھا؟“ کیا اس میں بول رہی تھی۔ ”آپ کے لئے وہ اتفاق ہو سکا ہے اس کے لئے تو وہ اتفاق اور سوت کا معاملہ تھا۔ بلکہ شاید ہر لڑکی کے لئے سوتا ہے۔“

”پلیز یہ مجھے ہنسنے مت دے۔“ یہاں تک کہ شروع کرتے ہوئے ہر ایک کو شکست کا سامنا کرنے کا حوصلہ ملے گا کہ چاہئے۔ اس میں اتنا جو سہ نہیں تھا تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔“ میرا غور سے خدا اٹھنے کا تھا۔

”مسلو میڈا کرنا ہے جو اسے کیاں سمجھتا ہے اس نے اسے کیاں نہیں سمجھا تھا ہی لئے تو آپ کا اصل روپ وہ ورڈاٹ نہیں کر پائی۔“

”اسے کوئی بھی جھوکا دے سکتا تھا۔ میں نے تو تو اتفاق کیا تھا۔“

”کہا تھی رنی پرانی نہیں تھی کہ کوئی اسے بھی جھوکا دے جاتا۔“ تو بے صدا کہانی سے بولی۔ مگر اس کے انداز میں قدرے آؤں آئی۔

”آپ میں بھی سب سنا ہم کو انہی اسے پہنچ آئی تھی کہ آپ میرے پہلی تھے اور جتنے جن میں نے اس کی آپ سے سوچ کر انے کے لئے کہے تھے وہ آپ کو بھی نہیں پتہ۔“

”لیکن میں یہاں سے گھر نہیں سوں کہ اس نے یہ اتنا ہی قدم میری پہلے سے اٹھایا ہے۔ لیکن یہ باتوں میں وہ اس حد تک آگئی کہ اپنی جانی دے دی۔“ میں حدود پہ پہنچنے سے اٹھ کر ہال میں

یکہارگی ہر۔ مٹانے نہیں ہاتھ سے دیا مٹا تو میں آپ کھینچی کر خود ہی گاؤ پانے لگا۔

”اے صحت کہتے ہیں ہمارا اسی کو محبت کہتے ہیں۔“ تو وہ بہتے نظیر۔ سوئے انداز میں بولا تو میں جند لہو سے دوپٹے تر ہونے کے بعد گہری سانس لے کر دوبار سے ٹپک ٹپک کر بیٹھ گیا۔ اس ٹپ ٹپکا مجھے اچا نہیں بالکل خالی ہوتا محسوس ہوا تھا۔



سارا ون لال کے ساتھ آ مار گروہی میں گزار کر میں تھرا گیا تو سید صاحبہ کی طرف نہ بڑھا یا تھوڑی دیر بعد مال کمانے کے لئے مجھے بلائے آیا تو میں نے انکار کر دیا۔ درحقیقت میں اس وقت یا کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

مجھے۔ انکار کے جواب میں پہچان ہی ممانی جان بولی آئیں۔

”میں یہ نہیں چاہ رہا تھا کہ کچھ کھا لیا تھا ہم نے۔“ میں ٹھیک سے جواب نہ بھی نہیں چاہا۔

”تکڑا لہو کمانے یہ سوچو ہے۔“ تو وہ مجھے لئے نظیر لئے مل نہیں تھیں۔

”تو وہ یہاں بھی کھانا سو روایں موجود ہو سکتا ہے۔ غریبے اپنی صحت مرنے ہے۔“

میں نظیر بہت کھنگلی سے انہیں سارا رہا تھا۔ درحقیقت مجھے ہر نہ تہائی پتا سنے تھی۔

”بابر کی جیو یں کمانے سے کیا خاک صحت بنے گی؟“ تو وہ کھنگلی سے رہیں۔ ”اب وہ پے نظیر مت سوا۔“

”سرمائی جان اتنی گرمی میں دھوچہ“ میں نے سر نہ ہلایا تو وہ مجھے کھو نے نہیں۔

”ابا، سوا نہیں، خدا ہی سہی۔“

”او کے۔“ میں نے مسکرا کر ہٹانے کی جگہ تو وہ مصحفیٰ ہی بات کہیں۔

میں کرسی تھپیٹ کر پچھلے کے پیچھے بیٹھ گیا۔ انہیں چپا کر ہر ایک سے چٹا کر میں نے سطلی آ نکھیں دودھیں۔

”اتنا تھا کہیں تھا؟ مجھ پر؟“ یاد اس قدر جاہان تھی کہ کون سے اور کون کی بیویوں میں کر پانی؟

میری سوچیں بہت تھکی تھکی سی تھیں۔ ماراویں مال کے ساتھ گزارنے کے باوجود میں جا کی تلخ کلاویں مراضی سے انداز کو نہیں بھولا تھا۔ وہ اب مجھے اپنا بھائی مائے سے بھی انکار کر رہی تھی۔ کتنے اجنبیت بھرے انداز میں اس نے بتلوا دیا تھا کہ وہ اپنی دوست کے ساتھ ساتھ اپنا بھائی بھی کھو چکی ہے۔ میں اداں تو نہیں تھا کہ اس کا اشارہ نہ سمجھ پاتا۔

میں کس قدر خوش تھا۔ چار سالوں کے بعد یہ سنا جی پسندیدہ جگہ پر بند چہ دریں لوگوں میں کچھ وقت گزارنے کے خیال ہی نے مجھے بے حد رجوش کر دیا تھا۔

اور.....؟

اجی تو تھا وہاں ہی میں تھا یہ کہیں آگئی کی سلا چلی تھی۔ بس میں جی تھپ تھپ کر سب کچھ بھٹس کر رہا تھا۔ میری دند بکوں تلے کسی کا سراپا مجسمہ سونے لگا۔

”ہمہما یک آئید مل لاکھ گزاریں گے بھرہ“ میں نے دوسرا ماٹھوں کو ایک بہت بڑے صورت شاہ دکھایا تھا۔

جواب میں اس کے سونٹوں پر بھی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کچھ کہا نہیں، منڈا بکے۔ سا شہات میں رہ بلایا تھا۔

”پتہ بھرہ جب پہلی بار تم مجھے چھٹی لگو تو مجھے بہت بڑے سنی کر کوئی اتنے فصول سے پیسے کی لڑائی مجھے کیسے پسند آتی ہے؟ لیکن یہ محبت سونی ہے جو وہاں تو نہیں کھٹکتی تھی۔ دل میں دھانی ہوئی تھی۔ چلی آئی ہے۔ اور اب تم سے خوب صورتہ رہے زمین کوئی نہیں ہے بھرہ“

میں ہر توڑ کوشش کر رہا تھا کہ اسے دیا گئی کی حد تک لاسکوں۔ وہ جس مجھ ہی مجھے دیکھ کر اپنی کلاویں میں بیڑی جوڑیں کہ انکی سے مجھ نے گئی۔ تب میں نے گئی اسی کے اندر میں اس کی چوڑیوں کو کھینچا تھا۔  
اپنے وجود میں خلیب سی شمشیر مسوس۔ نے سے میں نے آ نکھیں کھولیں۔ باہر کے جس سے نوا دیا اندر کے جس نے مجھے پیسے میں تیرا کر دیا تھا۔ اور اب وہاں ملنے والی تلے لڑنے ہے۔ میرے

خوابوں میں بسنے کا عقیدہ اور جو وہ آپ کی قبر کا نہیں ہے۔

مردہ ہونے کے باوجود یا حساسی و امامت اور شیعہ تریں حساسی جرم تھا، جو مجھے ہشتوں میں غمیل رہا تھا۔

میں اور میریوں میں کیوں عرق سوز ہے ہوا؟

بال نے کہتے ساتھ ہی لاکٹ ہاٹ ہی تو میں سپرد ہو کر چہرے پر ہاتھ بچھنے لگا۔

”یہ پھٹنے کی چٹاری کیوں سوز رہی ہے بھائی؟“ وہ مسکھک خیر انداز میں کہتا کری کھیٹ کر میرے مقابل چٹھ کیا تو میں نے سر ٹھونکی آنکھیں اس پہ جما دیں۔ میری الجھی ٹکری حالت اسے میرے اندر کا پھڑکے گئی تھی۔ اس لئے وہ لگی عجیبہ ہو گیا۔ قدرے وقف کے بعد وہ بولا۔

”کوئی کھو اچھا ہو گیا ہو ہو گیا۔ آپ پکیر پٹنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ بنا کا بنا ہے اسے تو وہ راہی بات الہی لپٹنے کی مانت ہے مگر قصص یہ سب خود طاری کرنے کی کوئی نہ مانت نہیں۔ وہ سب ایک مذاق تھا۔ فارغینات ابدا انجوائے پورا لائے۔“

”وہ مذاق تھا۔ مگر یہ سب مذاق نہیں ہے۔“ میں جیسے سوئے لکھ میں بولا۔ ”وہ مجھے حامل بخاری ہے اس جرم کا عزم بخاری ہے جو کہ میں نے کیا ہی نہیں ہے۔“

”تو پھر تم کیوں ٹخنش لے رہے ہو؟ بنا جو کو اس کرتی ہے اسے کرنے دو۔“ اسے مانتی غصہ آ رہا تھا مرنہ ہو گئی بنا کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتا تھا۔ اس کی بات پر میں چپ رہ گیا۔ اب بھئی کیسے کہہ دیتا کہ آپ ہی الفاظ مجھے خرم ٹھہر رہے تھے۔ وہ گزرے سوئے لکھا، جب جب میں نے اسے لفظوں کے کھال میں پناہ سننے کی کوشش کی تھی۔

”فارغینات یار“ بال قدر جھنجھلا سا گیا۔ ”بھئی لڑکائی ترک نہیں کرتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اور نہ ہی تم نے یہ کیا کچھ یا کیا ہے۔ تم نے تو یہ بھی بات مذاق کی حد تک دیکھی تھی، لوگو تو مدد دیتے، وہ کبھی خیال نہیں کرتے۔ اور پھر وہی تو نہیں کہ اس نے تمہاری وجہ سے خودکشی کی سو لڑکیوں کے امور بھی کئی مسائل ہو گئے ہیں۔“

وہ مجھے سمجھا رہا تھا۔ مگر اس کے لپچا اور لفظوں کی کمزوری سے میں بھی مانت تھا اور وہ غور ہو گئی۔ مگر اب خودکشی دینے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔



سمیت ہر سونے کے لئے جاتے ہوئے ممانی جان نے ہمیں دودھ پینے کے لئے دھکا تو میں بول کوٹھا کر کے وہ میں روٹتا خود وہ چلا آئی۔

سونے سے پہلے مال پر فنی ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا تھا وہ میں نے بھی ٹوک دہنی طرح اس کی طرف متوجہ کئے رکھا۔ کچھ لگی سوا اس۔ مٹی پر گند کی سے تو میں بھی آزادانی چاہتا ہی تھا۔

اگلی صبح تک میں وہاں ہی کا ارا دہ کر چکا تھا۔ مٹنے کے بعد میں ممانی جان کے پاس بیٹھا ہی باتیں کرتا رہا تھا۔ ایک آدھا چشتی نگاہ میں ابرہی خانے کے دروازے میں کھڑے مال پر بھی ڈال ڈھکا تھا، جو ہر جہانکے سے زمین کر چ لی نا کو پتہ نہیں کیا سمجھا رہا تھا۔ کبھی بھارہ دکھائی جواب دے، جی، مرندلیا وہ مال ہی ول رہا تھا۔

ممانی جان سے میں نے ادھر ادھر کے ڈھیروں سامنے کے، مگر بھی وہ بھٹکتی نہیں ہو رہی تھیں۔ مگر میں جانتا تھا کہ جیسے جلا ہے جارہے تھے میرا یہاں رہنا ممکن نہیں تھا۔ خود مجھے بھی یہاں کی اٹھا سہے پو۔ بھل تک، ہی تھی۔ کیونکہ میرے اندر کا سوہا چھٹا نہیں تھا۔

ممانی جان کسی طور پر میری وہاں ہی کا نہیں مانیں تو میں انکو کر دیتا تھا۔ میں آ گیا۔ اور کچھ نہیں سوچا تو پو فنی حثت گزارنی کے لئے میں بے کپڑے کٹھے کر کے یک میں ڈالے گا۔ خیال یہی تھا کہ ماموں جان سے اجازت لے کر یہاں سے نکلے اس کا آپ نا تو وہ ہی نہیں تھی کہ جس کی خد کی وقوع میں کرتا۔

تھکنکی آواز پر میں یہی سمجھا کہ بول ہو گا۔ شرٹ بیکر کے یک میں خوتے سونے میں نے ایک نگاہ دروازے۔ ڈال تو میں نا کھڑی تھی۔ میں بھر سنا چنے کام میں مشغول ہو گیا۔ بھل پر سے شیونگ کا سامان اکٹھا کر کے میں چلا تو میں نے دیکھا کہ نانا نے میرے یک میں سے سارے کپڑے نکال کر کڑی پر ڈھیر کر دیے تھے۔ میں کچھ کہے بغیر شیونگ کا سامان یک کے سامنے ڈالنے میں رہ گئے گا۔

”آپ اچھی تک بالکل رہے ہی میں۔“

وہ بکھت میرا ہاتھ تمام کر رہی۔

”آپ کا اچھی دھاس نہیں کہ راضی ہیں کہ کیسے منایا جاتا ہے اس کے حائے خوبصورت نکلا کے ماموں کو کے یہاں سے جارہے ہیں آپ ہمیشہ سے ایسے ہی کرتے آئے ہیں۔“

اس کی اس حرکت پر یک لخت ہی میں نے خود کو بہت ہکا بھکا محسوس کیا تھا۔ ”مرا ہاتھ میں نے اس کے سر پر رکھا تو وہ میرے ٹانے سے لگ گئی۔ بے پناہ خوشی نے مجھے تیرے تھا۔



تصور نکالنا اور نقل نہیں ہو سکتا۔  
وہ آتی ہر آتی۔

اور یہ یقین اتنا زور آور تھا کہ میں بے اختیار ہلک۔ سے مڑا ہونے پاؤں چلنا دیا رنگ گیا۔ گرد و ہری طرف ہر ان جیت تھی۔ جامہ کی روشنی میں ہر شے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ جبکہ ان کا گھن دوسری طرف تھا۔ نہ نہ پایہ میں نہ مٹی جھاگ سی نہ تھی۔

نیلہ کی خود پر جاری کرنے عالی ہر حد تک ہے۔ میں نے ہاؤس آ کر ستر پر پڑنے ہوئے خود پر ہاؤس کر لیا مگر جب تک مجھے نہ نہیں آتی ہر وہ کی وچہ نہ تھکے کھڑے کھڑے آتی رہی تھی۔

صبح میں اٹھا تو ہوا تو میرے ہی سے ٹھوہ چکا تھا۔ میں کوئی گاؤں کا بے طرف سا بندہ تھا نہیں کہ بھر ہے۔ عیار دھوں کے پتھر میں پڑا ہوا۔ شاید اسی وجہ سے وہاں مجھے پانچویں رہا۔

مومن قدر بچا تھا۔ یہ بال ہی کا آئینہ تھا کہ ان کے ہر قطرے کے لئے جانا جایا ہے۔ گرمیوں کا موسم سو آسمان آگ کے سمائے تھنڈی ہوا ہر مارا ہوا قطرے کے لئے آسمان کے بانٹ سے اچھی جگہ کوئی ہی ہو سکتی ہے؟

یہ جہیزوں کے ساتھ آسمانوں جان کی انہی خاصی دھاتی مکھڑے اور ہوا جھہکی لے ہمیں بانٹ میں جانے کے لئے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ وہ پیسے تو وہاں کے چوکیدار بابا احمد دین کے ساتھ میری خاصی جان بچوں تھی۔ وہ بھی مجھے فوراً بچوں کیا۔

”آپ تو سرکار پہلے ہی جھٹ آئے سواہر۔“

یہ بال آ کے جھٹ شاید۔ میں نہ پائے ہوں مگر مجھے اپنی توانائی پر پہنچنے کے لئے۔ پچھلے عرصے میں ہونے لگے۔ میں بھٹکل ہونڈوں میں کھڑا ہوا ہوں آگے بڑھا تھا۔

ہم لوگ کتنی ہی دیروہاں کھوئے رہے۔ حال بہت خوش تھا۔ اتنے عرصے کے بعد اسے مکمل کرنا کے ساتھ وقت گزارنے کے بعد باتیں کرنے کا موقع ملا تھا۔ میں ان دنوں کے بیچ میں چل رہا تھا۔ بال مسلسل بدل رہا تھا۔ ہر پیشہ کی طرح بہت دلچسپ باتیں کر رہا تھا۔ مگر میرا دل مسلسل بے گلی کی زد میں تھا۔ ہر نہ میں بھی بہت کی طرح بال کا ساتھ دیتا اور ناک کو تھکے کر کے لٹکا دیتا تھا۔ طرح نہ نہیں کیا

بات تھی کہ مجھے ہر چیز سے دل اختصاصاً محسوس ہو رہا تھا اور اس کی وجہ مجھے خود بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔  
مجھے یادوں کا جھوم بجھ کر ملتا۔

ایک ٹھٹھکیلائی سونی فیس میری سامتوں میں گولچے لگی تو میں نے سر جھٹ کر خود کو حال میں رکھتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ بال کی طرف مرکوز کرنے کی کوشش کی اور بال مشکل میں کوشش میں کامیاب ہو پایا۔  
کافی دیر غافل قدمی کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارا تھیں۔ تہ رہے۔ پتہ پدارتھ میں اچھی قسم کے کام ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے ٹوپا صاف کیا۔ معمولی طور پر ہاکیک بہت اچھا لگتا تھا۔  
دوپہر کے کھانے کے بعد ہم برائی چان کے ساتھ پیٹھے خوش گیموں میں مصروف تھے جسے میرا سوا کل بچا اٹھا۔

نمبرز سے مجھے پہلے کیا کہ کال ڈیڈ حسن کی تھی۔ میں سارا پانی سے خود تیرا آم کی طرف آیا۔  
”کتنے تیرے سو تم، احرار انکلی فون، ننڈ۔ شرم نہیں آتی تمہیں“ وہ میری آواز سننے ہی شروع ہو گئی۔ میں ہنس دیا۔  
”آہی ہے۔ آہی ہے۔ تمہاری آواز سن کر آ رہی ہے۔“

”چند بھائی اشکوں سے کنکلیٹ سوا ہے تم سے۔ جسما سوا باطل کئی رہا نہ ہی نہیں دے رہا تھا۔ کیوں آف رکھتے ہو؟“ وہ بہت سی طرح میری بات نہیں سن رہی تھی۔

”اوسو لارا پیٹنا ڈاٹاں سو ہی تھی، درجاء کرنے کا سلیاں نہیں رہا۔ اپنی وین ماپ تو رابطہ ہو چکا ہے۔ سارا تنگی چھوڑ دو۔“ میں نے بات کرتے کرتے نکلیوں سے درخت کے نیچے بیٹھے بالہ رنایا کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں چاہے خود کو جتنا بھی چڑ کرتے، مجھے علم تھا کہ وہ میری طرف لگی ہو چکے تھے، مگر سنا تھا۔

”تم کب آ رہے ہو؟ بہت دور ہے سو ہی ہے۔ سارا گرہ پھر چھایا سوا، بچا ہے۔“ وہ بہت اکتا ہے سو بچے امداد میں آ رہی تھی۔

”ابھی تو آیا ہوں۔ فی الحال تو کالی دن رہنے کا پھر ام ہے۔“ میں نے بھانڈا کی بے تلیا تو وہ ہلکا اٹھی۔

”کوئی نہ ہو رہے ہیں، بہت سے دن رہنے کی۔ میں یہاں اکیلی رہ رہی ہوں، تمہارا بھانڈا لے کر تے پھر رہے ہو۔“

میں ہنسنے لگا۔

”سو ری مٹھی۔ میں اس مسئلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ تم چاہتی سو جاؤ کہ میں چار سالوں کے بعد آ جاؤں۔ اسے اتنی جلدی تو نہیں آؤں گا۔“

”مائی گاؤ؟“ اس نے گہری سانس لی۔ ”کچھ اتنی سو تم باہر نواز“

”اس قدر جھگڑا کا شکریہ۔ میں نے سسکاہٹ دلائی تو وہ وہ بچنے لگی۔

”سو تم کیسا ہے ماں گا؟“

”آج کل تو بہت ناشائستہ لباس پہنا رہا ہوں۔“

”یعنی کہ میں آ جاؤں۔“ وہ دلکشی سے ہنسی تو میں گڑبڑا گیا۔

”میں..... تم؟“

”ہاں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ وہاں آ جاؤں۔ تمہارا ایک مسئلہ دیکھوں گا کہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر سکیں۔“

”شہنشاہ؟“ اس کے انداز میں شہریت محسوس کر کے میں نے بے ہوشانہ سے جہاز توڑ مارے مخصوص انداز میں ہنسنے لگی۔

”شہنشاہ باہر۔ میں بھی آ جاؤں؟“ تمہارے پاس ہوائی راستہ تو نہیں کریں گے؟“

”اگر نہیں۔ اس کی براہ کرم نہیں ہے۔“ میں سنجیدہ ہو گیا۔

وہ حقیقت میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ یہاں آے۔ پہلی ماحول پر مشکل کنٹرول میں آیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ جاہل سے ٹینشن کا شکار ہونے لگے اور نہ ہی میں چاہتا تھا کہ کسی اصول پرستی کی جگہ بھی

نویا۔ حسن کو ہڈ۔

”او کے دھرم میں آرہی ہیں۔“ مولانا نے اسے بولی تو میں نے اسے تنہا کر دیا۔

”کوئی مادہ نہیں یا راقم کہاں رہا ہو گا؟ وہی اس میں فروغی بھاگن اور مجھے بھی چھک کر گئی۔“

”مجھے نہیں پتہ۔ تم خود ہی تو کہہ رہے ہو کہ موسم اچھا ہو رہا ہے۔ اور میں نہیں جانتی کہ اتنے رومانوی موسم میں تم میرے بغیر نہ اٹھک ہو جے۔ تم اس مجھے پڑھیں بھلاؤ۔“ وہ اٹھ ادا میں کہہ رہی تھی۔  
”خدا تو اس میں نہ کٹ کے بھرنی تھی۔ میں سے بھلا بے سوا کہاں کر اسے پڑھیں جانے لگا۔ ویسے بھی کوئی کتاب بچہ پڑا کا سلا تو تھا نہیں۔“

”گزارا پھر کے ماتھا آؤ گی تو بہت آسانی رہے گی۔“

”او کے۔“ تو ہر تلمیذ ختم کرنی سوتی بولی تو مسکرات ہر۔ سونہیں۔ پھیل گئی۔

”آئی ریلی مس یں ہر۔“

”سی نو۔“ میں نے بھی سنا۔ اف کیا تو وہ بڑا سنا۔

اور اہر کی زندگیوں کے احساس نے فون بند کیا تو میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ مجھے اب آپ بہت تھکا ہوا محسوس کرنے لگا تھا اور یہ آپ بہت خوش کو اتار رہی تھی۔

نویل حسن جیسی لڑکی کی وہ تھی اور میری لگاؤ کوئی عام بات نہیں تھی۔ وہ ساری زندگی بھرتی کی بھرتی کو نہیں سونے کے ساتھ ساتھ بہت لے دیے رہے مانی بھر وہ سونہ چھٹی لڑکی تھی۔ لڑکوں کو تو وہ ہر گز رہتی ہی نہیں تھی۔ میرا کھرانے کی بالکل اولاد سونے کے باعث وہ ساری بکری سوتی رہی تھی

جانے سے مجھ میں کیا اچھا لگا جو بہت تنہا سے رہا۔ اس پہلے وہ تھی اور میری لگاؤ پر جان چڑھا تھا۔ مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ اسے میری طبیعت میں بہت جیسا پن اور بچہ بولی آگئی تھی۔ اس کی وجہ سے میں بہت تھک رہے تو نویل کا قصہ سونہ میں پرورش کر رہا تھا۔ اس کی شد کو میں نے کسی مانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اگر آؤ گی رات کو بھی فون کر کے مجھے۔ گریا اس کریم کھلانے کو کہتی تو میں ہی وقت بگڑی لے کر ٹھک رہا تھا۔



”کہتے ہیں کہ آزمائش ہی محبت کی سب سے بڑی پیمون ہوتی ہے۔ جو آدمی کو یا تو کندن خارجی بنایا مگر رکھ دیا۔“ کیا کھانا اڑا بھی بہت مامہا تھا مگر مجھے بہت محسوس ہوا۔  
 ”مہر حال، یہ سوں آدمی ہے۔“

میں نے فورا ہی بات ختم کر دی، ہر سو سو سو گئی چل دیا۔ یہاں کی ساری خوشگوار باتا۔ ٹاموٹی میں بول نکلی تھی۔ مگر میں بھی دانستہ سے طر انداز کے رولہ کھا لگی، میں بھر سے وہی چوتھل اور پچھان ماما حاصل پیدا نہیں کرنے دینا چاہتا تھا۔



تیسرے روز فولہ پھٹی گئی تھی۔

ممائی جان اور ماما اس سے بہت اچھی طرح ملیں، جس کی مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ہم سب جینٹا۔ میں آپہنٹے۔ چاٹھنی پٹی لے لاتی، جو کہ ماموں جان، انڈو سے لائے تھے۔ میں بلال کے ساتھ صوفے میں، حسیا ساتھ تھا۔ ماماں جان تھوڑی دیر کے بعد انڈو کے چلے گئے۔

”تم تو کہہ رہے تھے کہ موسم بہت اچھا ہے۔ لیکن یہاں تو بہت گرمی ہے۔“ فولہ تو یوں گئی پٹی دیکھنے کی قابل نہیں تھی، مجھے گھبراہٹ ہوئے ہوئے۔

”آج کل تو موسم اچھا ہو رہا ہے۔ چند روز پہلے تو شدید گرمی تھی۔“ ممائی جان نے میری جان بخشی کرانی چاہی۔ اب انہیں کیا معلوم کہ اس کا ٹائل ہی مکی ہے۔

”تسبی کو شوق ہوا تھا، ایڈو پھر کا۔ اے شکستہ۔“ میں آرام سے ہلا تو وہ مجھے گھبراہٹ کر بیٹھی کے گھونٹ بھرنے لگی۔ مگر میں دیکھ رہا تھا کہ وہ یہاں آکر خوش نہیں ہوتی تھی، جس کی سب سے بڑی وجہ تھی کہ اس میں ایڈو جھڑپ کی غریب بالکل بھی نہیں تھی۔ وہاں ماموں میں رہنے کی مادی تھی، جس میں وہ رہتی تھی۔ اسی لئے وہیں۔ قائدانہ انداز میں کمرے کا ہار دے لے رہی تھی۔

”انھیں ہر اکہیں بابہ چلو۔ یہاں تو شدید ٹھنڈا ہے اور جس سے مر رہا ہے۔“

پٹی ختم کرتے ہی وہ انڈو کھڑی ہوئی تو سب کی نگاہوں میں ٹپٹپٹ محسوس ہوتی تھی۔ مگر حالانکہ وہ میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی انڈو کھڑی ہوئی تھی۔



”میں کریں اور آمد۔ میں یہ کالر چلا کر منہ جانیں۔ یہاں تو واقعی گری ہو رہی ہے۔“ اس کے منہ پر۔ چل کر تے سوئے میں بھی غاسوٹی سے باہر آ گیا۔ مگر مجھے یا احساس بھی شدت سے ہو رہا تھا کہ نوید کو یہاں آنے کی اجازت دے کر میں نے غلطی کی تھی۔ جو چند لمبے میں گھر آگئی تھی۔ وہ چندوں کیسے گزار سکتی تھی؟“۔ آپ مجھے ممانی جان کی با عیادائی تو میرے سوتوں پر مسکرا ہٹ بھیل گئی۔

مجت..... پھر یہ میری محبت اسے یہاں رکے پر مجھ کرے۔ اُگ میں آؤ گی رات کو اس کے پاس پہنچوں یہ ہمارے سکنا تھا تو وہی تو میری خاطر میری پسند کے ماحول میں رہ سکتی تھی۔ اس میں ایسا یہ وہ اس کے لئے بھی بگڑ نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ یہاں بے چارہ آسا نہیں نہیں تھیں۔ ہر حال اگر میں رہ سکتا تھا تو اسے بھی رہا ہی مانتے تھا۔ اطر کو یہ کام نہ کر شے مانتے تھے۔

رات کا کھانا کھانے کے لئے پیٹھ پر لٹا لٹک چلی گئی۔

”اوہ۔“

تا نے جلدی سے کیڈل چلا کر ساری میری رکھی اور خود لائیں جانے لگی۔ نوید بڑی بے زاری سے یہ سارا عمل دیکھ رہی تھی۔ میں نے فائدہ صبر کا فائدہ اٹھاتے سوئے اس کے سبب پا چاہی رکھ کر باہر اس کے متوجہ ہونے پر میں آہستہ سے بولا۔

”اس کے۔“

وہ ہلا کر بولی سے مسکرائی۔ میں ڈال تھا کہ میری خاطر وہیں تمام باتوں کو برہشت کر رہی تھی، جو اس کے مزاج کے مطابق ہو گا تو نہیں۔ میں بھی مانتا تھا اگر میں اس کی نظرت سے واقف نہ ہوتا۔

ممانی جان کے ہاتھ کا وہ کھنکا کو بھی دے شے میں ماحول۔ سوید بھی قریب سے بغیر نہیں رہی۔

”چلا، کہیں باہر نہیں۔“

نوید کھوئے میر نے کی شو قین لکھ مانی تھی اس لئے بار بار بے چین ہو رہی تھی۔

”باہر کو صبح کر رہا ہے چٹا کے چٹل قدرتی کرتے میں اور باتیں بھی۔“ ممانی جان کے بچے ہی میں نے آئیڈیا دیا تو وہ جارت نہیں کر دی۔

”کتنے بد ہو گئے سوئم۔“

”تم آں، نویلا! یہ مارا شتم نہیں ہے کہ ہار چیک کے مگی چاہ تو چہا زار کلاما ہے۔ یہاں تو آس پاس خفا کھیت ہی ہیں۔ بہت کچھ دو ہزار میں جہاں خفا اسٹورز ہیں پھر اسپر پارٹس کی کافین میں پڑ جیٹا پک اور مصنوعات کی۔“

میر۔ سمجھانے پر وہ مگبری سانس لے کر بولی۔

”یہ سہ تو میں نئے آئے ہی دیکھ لیا تھا۔ یہاں زندگی بہت مشکل ہے۔“

بال کھانے پر بات صحوی سمدا کر رہا مسکرائی۔

”تمہارا کڑا بہت اچھا ہے۔ اور اسات مگی۔“

میں مصروفی نصے سے کھورے نکالنا جب کہ بال شرارت سے سر خم کر کے بولا۔

”تقریباً کا شکر ہے۔“ بال بننا تو وہ مگی تھی۔ میں مگبری سانس لے کر بال کی طرف متوجہ ہو ہوا سے امر کی۔

”پلو حیات چہاے طلعے کا شافی سر ہے۔“

”نہیں پڑا تم لوگ اگلی بلو۔ بچا ہاں کو کچھ سامان لگوا ہے اس کی اسٹ مانی ہے۔“ وہ حذر سے غوا پانا مارا زس بولا۔

”اگلی بھی کوئی جلدی نہیں۔ تم کام ختم کر کے آؤ پھر اسٹھ پٹے میں۔“ میں دوبارہ کڑی میں جھنس گیا۔ میں کیلے میں نویلا کو لے کر جانا نہیں چاہتا تھا۔

یہ ٹھیک تھا کہ ہمارے مراسموں جہاں کمر بنے سنے کے انداز میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ یہی نویلا تھی جو بڑی بے تکلفی سے آدھی رات تک تمام میرے ساتھ کھڑی رہتی تھی۔ اکثر اوقات وہ مجھے ملنے آتی اور میں پیرہم میں سوتا تو وہ سیدھی وہ میں چلی آتی تھی اور میں مگی اے رہا نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن یہاں کی بات ہے امر تھی۔ ایک تو ماسوں جہاں کا ”ام ہر وہر۔“ بنا مگی تھی۔ مجھے اچھا نہیں لگا کہ میں اتنی آزاد



”وقیانوی ہی کہیو۔ سب میں جیٹور بے تکلفی سے بلاتیں کیا اہل ہاتھ ہے۔ مگر یوں کیلئے میں سب کے سامنے اٹھ کر جانا چاہتا تھا۔ یہ لوگ تو چاہتے تھے کہ نہ کہیں۔“

”مجھے واقعی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ تم ہی ہو۔“

”تو پھر تادیبیں یقیناً دے کے لے مجھے کیا کرنا سہا“ میں شرارت سے کہتے ہوئے اس کی طرف جھکا تو نکلتی ہی اس کا ہوا بھی بدل گیا۔ اس نے کانٹا کھیرے مٹانے پر دھماکا۔

”اسٹوڈنٹ۔“

میں اس کا وہ بیان سنے پہلے ہلکا ہلکا سا ہنسنے لگا۔

بالا لیا تو ہم تینوں صدمہ ہی چلے آئے۔ نیا نیچے ستر میں کا اصرام کرنے میں مصروف تھی۔ لائن آج بھی تھی۔ اس لئے ٹویکے وہ بھی بچر ہو گیا تھا۔

”تھمسا ہی کزن بھی بہت ہی سنی ہے۔“ ٹویکے کم سی سی کی تعریف کرتی تھی۔ ”اب ایک سی دن میں وہ ہند میں کی تعریف۔“

”اس سراز کے لئے می ٹھکر یہ۔“ ہل لہر سے جھکا تو وہ سے نکھڑ کر رہی۔

”میں تمساری نہیں، بنا کی بات کر رہی ہوں۔“

”ایک ہی بات ہے، ماہنامہ اوپر ہی نصف بچر مرنے والی ہے۔“ وہ ٹویکے نامہ داری میں ہلا۔ ”کوئی ہے میں یہ بھی ٹویکے حسن نہ لکھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔“

”کیا۔“

”اس کا۔“ طلب ہے کہ نصف آدھا آدھا۔ یہ پہلے سے جھپٹتی اچھا اس سے تادیب کے بعد ہو جائے گا۔“ میں نے مسکرا کر منافقت کی تو وہ ہنس ہی۔

موسم گرمی کی رات کے صبح میں اس کی ہنسی نے میری ہانپتوں پر سہا جھپٹا کر چھوڑا تھا۔

ممانی کہاں نے آواز دے کر وہ کے کا اس لئے ہانپنے لگا تو وہ لہجہ نے نظروں سے مجھ کو کھینچ لیا۔

”وہ بھڑکی“ میں نے ٹوپہ سے پوچھا۔

”اے! میں..... بالکل نہیں۔“ ٹوپہ نے منہ دکھائی میں سر ہلایا۔

”اچھے اور..... لے لے لے!“ میں نے کہا تو بال معنی خیز انداز میں مسکراتے بیڑیوں کی طرف بڑھا۔

”اوکے..... تم لوگ آپٹیناں سے باتیں کرو میں، دواہ میں آتا ہوں۔“

اس کے انداز پر مجھے ہلکی آہ تھی۔

”تم بھی دواہ پیچے سو“ ٹوپہ نے حرکت سے پوچھا تو میں نے غمازیت سے اثبات میں سر ہلایا۔

”آئی ڈی ملیو! اہ! ہاں تو تم کیا دیر کی مجلس کو مایہ کرتے سواہ یہاں..... میں تو تسمانی کمانے کی اسپینڈر بھی تو ان سو رہی تھی۔“ اس نے آنکھیں پیلانیں تو میں نے ہنستے ہوئے اس کا

ہاتھ تھام لیا۔ وہ ہر سامنے آ کر جانے والے انداز میں ہوئی۔

”اے! تسمانی ٹرم کہاں گئی؟“

”تم سامنے سو تو اس کچھ کہاں پڑتا ہے؟“ میں غصہ سے انداز میں بولا تو وہ دلکش انداز میں ہنس دئی۔ کافی دیر تک ہم میٹھے باتیں کرتے رہے۔

”بھئی! کرو، اہ! میں نے تمہیں اتنا مس کیا کہ حد نہیں۔ جتنے روز سے تم یہاں ہو، تمام ایکٹیو میجز ختم ہو گئی ہیں۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے کرنے کو کچھ رہی نہیں کیا۔ اسی لئے تو میں تسمارے پیچھے چلی آئی

ہوں۔ اما ڈا ہارت ہی نہیں دے دی تھیں مگر میری ضد تو تم جانتے ہی ہو۔“

وہ ہرے ثا نے ہر سر کے آنکھیں سودے جو تھیں آواز میں کہہ دی تھی۔ اس کا انداز ہیشہ کی طرح بے باک تھا۔ میں بھی جہروں کی اس بارش میں خود کو محکوم بنا دیا تھا۔ جب میری آنکھ سامنے پڑ رہی تھی۔

وہاں تھی ہر تھی۔





میں ہے دیکھنے کا۔ میں نے اس لمحے سے متعلق کچھ نہیں سوچا تھا کہ جب مجھے نوید کو یہ سنا تھا۔ میری بھی میں نے مقدور ہر کوشش کر کے خود کو سنبھالا۔  
"مہلڑی ہے۔"

"وہی قومیں جو چوری ہوں۔ ایسی کون سی لڑکی ہے؟" تو پھر یہ اب دلکھے میں بولی۔  
"نہرہ۔ واسلہ وہ جا کی پہلی تھی۔ سام ہی لڑکی۔" میں نے کتنا چاہا کہ وہ بے حد گئی سے مجھے یاد دلاتی ہو۔  
"سام؟....." میں جانتی سام سوئی تو تم اس کے لئے نوید حسن کو یہی جھٹ کر نہ بھاگ گئے۔ "اس کا تھلا مجھے شاکہ کر گئے۔  
"نوید لپکا گل سو گئی ہو؟" میں ہنسنے لگی۔

"کیا گل تو تم مجھے کہہ رہے ہو؟ یہ سنا ہے؟ میں یہ سنا ہے؟" وہاں سے نہیں کر سکتی۔ تم مجھے صاف صاف سناؤ۔ "وہ جیسے انداز میں چلائی تو میں بے بسی سے سر قدام کر بیٹھ گیا۔  
"بلیو نوید! مجھ سے اچھی کچھ مت پوچھو۔" چپ نہیں، میں کیا بکواس کر رہا ہوں۔"  
میرے اٹھارہ انداز یہ وہ کچھ کہے بغیر انہی ہر چیز سے بڑھتیوں کی طرف بڑھتی۔  
پندرہ گھنٹوں کے بعد حال، "وہ کے گلاس بلیٹ میں رکھے چاہا تھا۔  
"خیر تو ہے؟ کیا کہہ دیا انہیں؟ میں نے جسے میں کئی میں؟"

اس کے انداز میں لگا تھا۔ وہ یقیناً نوید سے متعلق جو چور تھا۔ میں سرائی کا سے دیکھنے کا۔ میری آنکھوں میں یقیناً سرائی آتی تھی، اس کی وجہ سے میں آنکھوں میں طہی مٹھتی رہا تھا۔ وہی پرتاں سا  
پایہ مڑ رہا کہ کمرے سے مائے آہ بچا۔  
"پاؤں؟"







”بانی گاؤں تو یہاں سے ملتی تھا یا رہا۔ میں تو تمہیں رہا ہوا تھا۔ تمہاری چھائی کے پاس۔“

”ناتقی، ڈاکٹر ہے۔ تمہارا ہے۔“ وہ بولتی تھی۔ ”مگر یہ کچھ بھول کر بھاری ہے۔ ہرگز نہیں بولی۔“

”آئی ایم فیڈ اپ، امرا۔“ وہ بولتی تھی۔

”پاکستان نہیں ہو گئی، ابھی تک تو آئی۔“

میں نے اسے گھورا تو وہ آرام سے بولی۔

”فکر نہ کرو کہ میں یہاں رہتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ میں تو میرا دم گھٹا رہا ہے۔“ وہ بولتی تھی۔ ”میں کچھ دیر پہلے بہت محسوس ہوا۔“

”تم نے ان لوگوں کی محبت محسوس نہیں کی؟“

”اب صرف محبت ہے تو زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ امرا، یہاں یہاں ہی رہا۔“ وہ بولتی تھی۔ ”میں تو یہاں ہی رہی۔“

”یہاں یہاں ہی رہا۔“ وہ بولتی تھی۔ ”میں تو یہاں ہی رہی۔“

”ناتقی، ابھی میں تو یہاں ہی رہی۔“ وہ بولتی تھی۔ ”میں تو یہاں ہی رہی۔“

”ناتقی، ابھی میں تو یہاں ہی رہی۔“ وہ بولتی تھی۔ ”میں تو یہاں ہی رہی۔“

”ناتقی، ابھی میں تو یہاں ہی رہی۔“ وہ بولتی تھی۔ ”میں تو یہاں ہی رہی۔“

”ناتقی، ابھی میں تو یہاں ہی رہی۔“ وہ بولتی تھی۔ ”میں تو یہاں ہی رہی۔“

”ناتقی، ابھی میں تو یہاں ہی رہی۔“ وہ بولتی تھی۔ ”میں تو یہاں ہی رہی۔“



میں نے کہا: یہ ضروری نہیں کہ کمالیہ۔

راحت کو الہ کی خدمت ہم چاہیں گی اور کفیل ہوئے۔

نویسہ کے ساتھ دھڑک دھڑکا کر آئی۔ جی، اس کے بعد ہاتھ سے کم ہی بات کر رہی تھی۔ اے جی، اپنی بات منگنی ظاہر کرنے کے لئے کیا کر رہی تھی۔

مجھے بہت فحشوں سے ملے۔ مگر وہ بھی بہت سیر تھے۔ مگر انہوں نے کسی ایسی فلم کو نہیں دیکھا تھا کہ وہ صرف میرے اطلاق سے متعلق تھیں۔ میری زندگی سے باہر جانے کے بعد ان میں کوئی غم نہ آیا تھا۔ بلکہ مجھے اپنے ملک میں کی سب سے اچھی جو ملازمت ملتی تھی۔ وہ ان کی انکساری تھی۔ یہی حال سوائی جان، آئی اور بھائی کا بھی تھا۔ ان لوگوں کے انوں آکر یہاں رہتے تھے مگر کبھی انہوں نے انکساری کا اظہار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ میری طرح انہوں نے اساتذہ سے زیادہ بچوں کے ساتھ اچھے آسائشیں دیکھے تھے۔ انہوں نے انہوں کو مل جانی میں انکساری پر جگہ نہیں ملتی تھی۔

”آپ کی ہونہار عطا کردہ۔“

بہر شے پر چاندنی چھائی دیکھ کر یہ بے ساختہ اٹھا ڈنولہ نے کہے تھے۔ تو مجھے خیال آیا کہ مانتی چاندی اپنی پڑی آ۔ ہا۔ کے ساتھ تھوکار با تھا۔ ہر کے پانی میں گلاسا دیکھ کر نولہ بھی مانتی کی برعوض چلی جھٹکا کبھی میں ہوا تھا۔

”ہانی کا..... ہوں لگہ را بہ بھیے پانہنی گھل ری بھپانی میں۔“ نوہ ہنی جے تنگھی سے تارے، چٹھی اور جوتاں سمیت پانہنی میں ڈال دیے۔ میں بے اختیار ہل گیا۔

"کھانا ہے غلط!..... بہت گہرا پانی ہے۔"

”ہاں، بہت مگر اپنی ہے کوئی گر جائے تو انھوں میں صاحب۔“ بال نے بھی اسے دھکیں۔ کھٹے کو کہا تھا۔ مگر میں کہیں اور جا آنگا۔

میں بہت چھا حیراں کا تھا لیکن اگر مجھے لگی کوئی ہیرا، میں کوہِ ہیرا کو کہتا تو میں پہلے کئی بار سوچتا۔ ہاں، ہیرا نے کیسے؟

”سب کہتے ہیں کہ چور۔ چادر کی داغ بھر وہی رواج یہاں آتی ہے۔“ میں ہر حالِ غار کے ساتھ ساتھ چلتے گئے۔ اس کی باغی میں ٹھک گیا۔

”یہ قائم ہو کر رہتے ہو اس بات پر؟“

”نہا چکا ہے۔“ اس نے شانے اچکا ئے۔ ”میں ٹوئٹی بار کچھ چکا سوں۔“ اس کے بعد آرام سے کہنے پر میں بے چینی سے اسے دیکھنے لگا۔ میرے قہقہے پر وہ ہنسی اچکا کر پوچھنے لگا۔  
”تم خود کی تو اسے دیکھنے کا ادب تو کر چکے ہو۔“

”مگر میں تو اسے قصور کا کرشمہ سمجھ رہا تھا۔“ میرے افسانے پر وہ ہنسا۔

”یہ قصور نہیں ہے۔ جس شخص کی موت ہے“ صوفی مالامال میں ہوتی ہو، کہتے ہیں کہ اس کی روح بھی نہیں پانی اس لئے سزا دینی پھرتی ہے۔“  
میں رک کر اس کے سامنے آ گیا اور صوفی اس کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ میری اس قرات پر پہلے وہ جھپٹا ہنسی کر شرارت سے ہنسا۔  
”کنکریں پورے جامد کا ٹکڑا تو نہیں چھڑھٹیا؟“ بھائی اس میں غوطہ نہیں ہوں۔۔۔ وہ حقیقتاً ہے۔“

وہ شرارت سے صوفی میں تھا مگر میرا، جس کو نہیں ہو رہا تھا۔

”بول لیا، اتنی بدو نے خود کوئی کر لی تھی؟“

میرا سوال اس قدر اچانک ہو گیا کہ صوفی حقا کہ وہ ہنسا ہنسا۔

”تھیں ٹک ہے کیا؟“

”نکل میں خالہ زریزہ سے ملے جہاں گئے۔“ میں نے فیملی کیا تھا۔۔۔ وہ ہنسا۔

”تمہارا مطلب ہے کہ ہم جو کچھ بول رہے ہیں؟“

”چہ نہیں کہیں، مگر مجھے یقین کرنے میں مشکل پیش آرہی ہے۔“ میں جانتی تھی کہ لہجہ بات تھا۔

اب بکلت خیال گیا تھا کہ میں نے کسی اور سے پوچھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ بس یا اس بول کے کہے بغیر کر کے بیٹھ گیا تھا۔  
 ”میں نے تمہیں بتایا تھا کہ خالد ذریعہ بنارہی۔ تم ان کو مزید تکلیف دے گے۔“ وہ جیٹا انداز میں کہہ رہا تھا۔  
 ”میں ان سے کچھ نہیں کہوں گا۔ مگر کچھ اندازہ ہونے کی کوشش کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ بات پتہ چل جائے۔“  
 میں نے جیت کی جیدوں میں ہاتھ ڈال کر تھکے تھکے انداز میں کہا تو وہ ہانچتے ٹکروں سے بچھڑ کر کچھ دیر سوچا انداز میں بولا۔  
 ”اسرار! یہ تمہیں بتائیں ہے کہ تم نے واقعی مریم کے ساتھ مذاق کیا تھا؟“  
 ”ہاں..... نہیں کرو، مالاموس ایک مذاق تھا۔“

میں فوراً وہ اور واقعی یہ بالکل کچھ تھا اس لئے مجھے سوچنے کی بھی نہ مروت نہیں پڑی تھی۔

”لیکن اسے تم سے واقعی بہت بھتی۔ جب میں نے بنا کے سامنے اس سے بات کی تو، بیوی اسرار، اس سے بات کر گئی تھی، جیسے کسی نے اس کی جان نکال لی ہو اور اس کے بعد اس نے مجھ پر بیچنا شروع کر دیا۔“  
 ”نظر یہ ہائے کے صر میں چچی جان بھی ہو جو تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میں جبراً بول رہا ہوں۔ تم نہیں نہیں کرو گے، اسرار میری پوزیشن کبھی آگورڈ لگ رہی تھی اس وقت۔ تم قوتی آسانی سے کیاں نیلنے کے بعد چلے گئے مگر وہ واقعی بالکل بھٹی تھی۔“

وہ ہٹا ہٹا اور ہڈی سے برا انداز میں کہہ رہا تھا۔ میں احتجاجاً بول اٹھا۔

”نہیں کرو، بال! میں نے فقط اس سے غلطی کی تھی۔“

”قباحتی سے کیا کرتے ہیں؟“ اسے یہ سب پر ہنس چکا تھا۔ ”وہ عاصم سے پوچھنے کا قدم نہیں اٹھا۔ سو برا انداز میں کہا۔“  
 ”مجھے یقین نہیں آتا، بال! کوئی لڑکی اتنی راسخ نہ ہے کہ بچپن سے ہی اس کا قدم کیسے اٹھا سکتی ہے۔“

”اب تہنیں آیا؟“ وہ بے حد متانے لے اور اڑ میں ہلا تو میں اب بھیچے پانی اور چاندی کرنوں کا ٹھیل دیکھنے کا قدرے خوف کے بعد میں نے کہا۔

”میں جب بھی سوچتا ہوں تو دوسرے سوچنے لگتا ہوں۔ جب میں نے اس سے متعلقگی کی تو وہ کیوں مٹی آگے چلی گئی۔“

”جست کو سوچو گے تو سچی حقیقت کو تسلیم نہیں کر پاؤ گے۔ ان کیوں نہیں اپنے کا سے اس سے عکس لانے کے لئے تم نے ہر کس آزما لیا تھا۔“

بال کے لمبے میں غصے کی غنیمت سی آئی تھی۔ میں نے فحش سے اس کی طرف دیکھا۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ اندر سے وہ بھی مجھے قصوردار گردانتا ہے اب تک تو سو مجھے اس حالے کو بھل جانے ہی کا کہتا تھا۔ میں کچھ کہے بغیر وہ میں نا اور ٹولہ کی طرف چل پڑا۔ میں نے یہ دیکھتی راست نہیں کی کہ وہ میرے پیچھے آ رہا ہے نہیں۔

”اس وی سیٹی فل مار..... برقی برنگد ہا ہے سو نے کاپانی تہ سدا ہے۔“ ٹولہ خاص کل گئی تھی۔

واقعی اصل بہت سادہ کی سادہ تھا۔ میں نے بھی گزری باتوں کو وہ اما سنا نہیں سمجھا اور ان کے پاس خوشنویا۔ جوت میں نے ان دونوں کی طرح چاہیں اور نہیں ڈالے۔ ٹولہ۔ جو نے مار چکی تھی۔ ”یہاں موسم خوشگوار لگ رہا ہے۔“ میں نے بھی اپنا خیال ظاہر کیا تو میں نے چپے سے مسکرا کر تاج سے سر ہلا دیا۔ ”مجھی ٹولہ نے جبکہ کر چلے میں پانی لیا اور پھر ہر اجمال دیا۔ میں لکھ کر کو شہنشاہ کیا۔ اس کے بعد اس نے تیرے مجھ پر یہ فی پانی اچھا نا اثر کیا تو میرے ساتھ ساتھ نا بھی جیسے گئی۔

”ناٹ، اٹل.....“ ٹولہ ایک دم سے بولائی تھی۔ کچھ فوراً کس پانی سے نکالتی انھو کڑی سٹی۔ اسی تاج میں مال بھی قرب آ چکا تھا۔ ”کیا سدا؟“ میری کجرا بہت نظری تھی۔

”سو..... پانی کا ٹکڑا دیکھا ہے بانگ۔“ ٹولہ خوفزدہ دھڑکن سے پانی کو دیکھ رہی تھی۔

میں نے ایک جھٹکا سا محسوس کیا، فوراً جبکہ کہہ تو میں پانی لے کر دیکھا۔ ”واقعی سٹی مال ہو رہا تھا۔

”میری راست تھی سو۔۔۔ جب سے اس نے اس میں شہنشاہ کی ہے۔“ پ سے ہر چہ۔ چاند کی داغ کھنکھ میں کاپانی سر لٹا جاتا ہے۔“



ہاؤس کی آواز میں نوپل کو تارسی تھی۔ اس کی آواز میں سوچوئی اواز کھٹکے جیسے ست گہری کھاریں میں لے جا رہا تھا۔ وہ نہیں وہ بے چینی کے حصار میں آیا۔  
 ”اگر سال لے آئے گا تو میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو میں خالی ٹھکڑوں سے اسے دیکھنے لگا۔ نوپل بے حد خوف زدہ ہو گئی۔ ”ابھی یہ ہم چاروں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی تھی۔  
 ”اور چاروں نے کئے آئی تھی۔ جاتے جاتے میری طرف لٹی۔  
 ”نوپل آئی تھی۔ وہ کے بارے میں یہ چوری ہیں۔“  
 وہ کہہ کر مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے آنکھوں سے بازو ٹاٹا کہ اسے دیکھا اور پھر بے پناہ لہجے میں ہوا۔  
 ”جا کر سب سے ملو۔“

وہ خاموشی سے بات کر رہی تھیں۔

”تم نہیں سوچو؟“ بال نے اٹھ کھڑی ہو کر اس وقت بالکل اگلی بات کرنے کے حوالے میں نہیں تھا۔

”سوچا تو بال نے مجھے بھی نہیں آ رہی ہے۔“ میں نے سب بات آواز میں کہا۔ اس کے بعد بال نے اپنی بات کے بغیر خاموشی سے سوچا۔ مگر میں پتہ نہیں کہ کیا کئی کروڑوں والی سوچوں میں الجھ کر رہ گیا تھا، جو ہر قسم کے مجھے دھماکوں کی مانند اپنا کوئی سراہہ ہے۔ بہن کے ہاتھ ہاتھ لگے تو ہاتھ نہیں لگے۔  
 اگلی صبح نوپل وہی کے لئے چلا گئی۔ مانی جاں بے چاری اسے دیکھ کر ہانپ کر رہی تھیں۔

”دراصل مجھے اتنے غم نہ تھے کہ میں نے اس کی بات نہیں کی۔ اور وہ بھی میں بند رہ گئے۔“ وہاں پہلے سے غم میں کہہ رہی تھی۔

”جانتے رہا ہے۔“ مجھے اس کا انداز بے حد برا لگا تھا۔ ”یہ بھی اس میں کہہ رہی تھی کہ وہ اس سے بات کر رہی ہے اور اس لہجے میں یہ سب کہہ رہی ہے۔ اس لئے میرے لہجے میں خوش آہٹ آئی۔“

”اے سات سو تکی ہے مصنوعی چیزوں اور مصنوعی ہڈیوں کے ساتھ زندگی گزارنے کی۔“ میں تلخ سوچا مگر ممانی جا رہی تھا۔ ”اے مجھے مت نہ کرو عین۔ میں ہر محاذ پر کمر۔ میں آیا۔ تو بڑھ۔ پیچھا لگی تھی۔

”ہر اہم گی میر۔ ساتھ چلو گے۔“ اس کے لہجے میں غم تھا۔

میں بے تحاشانہ نہ کر سکا سوچنے کا۔ مگر جلد ہی میں چھوٹے کے ملنے سے ٹکرا گیا اور نہ کہانی سے ہلا۔

”میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں ہاؤس نہیں جاؤں گا اگلی۔“

”لیکن اے تمہیں اگلی میر۔ ساتھ چلا ہے۔ کیونکہ میں تم سے کہہ دی ہوں۔“ وہ بہت اگڑا انداز میں بات کر رہی تھی۔ میں نے وہاں سے اس کے اشارات ملاحظہ کئے، مگر وہ، بڑھ لہجے میں بات کرتی۔

”تو بڑھ! میں بات بکارتا نہیں چلاؤں گا۔ اس لئے بھڑکے کہ تم بڑھ جاؤ۔“ کچھ دنوں کے بعد میں ”ہاؤس جاؤں گا۔“

”یہاں کچھ نہیں ہے۔ ہر اس اے میر۔ وہی یادوں کے۔“ اس نے بکھرتی سی مقررہ لہجہ بکارتا دیا تو میں ساکت رہ گیا۔ مجھے اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ جاکے اس انداز میں لے جائے گی۔

”بھڑکے سوچا، تو بڑھ! کہ تم۔“ بڑھ لہجہ میں ”اے میر۔“ میں نے بہت غصہ سے کہا تو وہ حسیہ اس انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔

”میں خود گی اس آہنی جگہ نہیں رہنا چاہتی۔ میں یہ بھی پسند نہیں کرتی کہ تم یہاں رہو۔ میں یادوں کا زور کرو۔“

”شب آپ تو بڑھ! میں نے تو مجھے مگر سخت لہجے میں سے دوکے دیا۔ اس سے نیا دورداشت کا بار مجھ میں نہیں تھا۔“ میں تساری ہر بات نہیں ہوں، میں سے متعلق ہر بعد تمہیں کرنے کا حق ہے۔“

”اس سب پر ہر خواہاں میں کبھی بھی اپنے آپ لہجے کی مادی نہیں رہی۔“

”تو بڑھ! میر۔ میں بات نہ سنا نہیں چلاؤں گا۔ تم یہاں سے اچھے ڈکے ساتھ جاؤ۔“ میں بات ختم کرنے کی مٹری کوشش کرنے لگا۔ مگر اس کوشش کا سہارہ کرنے میں ہر ساتھ نہیں۔ یہ تھی سب لہجے میں ہوئی۔

”لیکن میں تمہارے بغیر نہیں جاؤں گی۔ آج مجھے اگلی تو پہنچنے کے لیے کہ تمہاری ٹکڑی میں میری کیا اہمیت ہے۔ یہ میرے۔ میرا تمہارے لئے کیا ہیں۔“

وہیں کمری تھی، جیسے میں اس کے کناروں پر اپنے والد اس کا سہ چلیا سوا کوئی جانوروں، ماسوں کے کمرانے کے لئے وہ جو اٹھاؤ استعمال کر رہی تھی ہر ف ایک ملی کو میری رکوں میں اٹھا کر سے  
 وہ نے اس سے اٹھے لئے میں نے بے حد صافاً ماز اور اٹھا کر سے کہا۔

"تو پھر تم جاسکتی ہو۔ میں کسی بھی قیمت پر تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔"

اسے بھی یقیناً شک کا تھا آج تک اس نے میرے ساتھ سے میں صافاً نکالیں نہ تھا۔ میں سہ روز ستانہ مزاج نکالنا تھا اس کی ہر ضد آرام سے مان جاتا تھا۔ غریبہ یہ، سنبھلی تھی۔  
 "مائی فٹ، مہر نواز اتم ہے رہا اس پر، وح کی یادوں سے جس کی آڑ میں پتہ نہیں، کیسے تھے چھپے ہیں۔"

وہی نہیں کرتی پہلی گئی تو میں کئی لمحوں کے لئے میں کھڑا رہ گیا۔

مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہاں۔ تم ہو گیا ہے۔

وہ نوبل حسن، جس کے سونے سے مجھے علمائیت اور سکون کا گہرہ حساس ہوا تھا، جو گھر والوں کی مایوسی کی کے باوجود مجھے پسند تھی، آج کتے آرام سے میں نے اسے خود سے جدا کر دیا تھا۔  
 میں گہری سانس لے کر کرسی میں بیٹھ گیا۔

میں نے اپنی کیفیت کا تجزیہ کیا تو مجھے خوشی تو تھی کہ سولی۔ کیونکہ میں نے کہیں بھی اپنی طبیعت میں یہ تحمل بہن محسوس نہیں کیا تھا۔

"تو یہ محبت نہیں تھی نوبل حسن! میں نے دل میں سوچا۔" محبت تو وہ ہے جس نے مجھے پہلے روک دیا ہے۔ میں نے ہر شکاری سے سچا۔

ماسوں جاں، مہمانی جاں اور سبکی محبت واقعی جیت گئی تھی۔ میں نے نوبل کے ڈایریکٹوں کے بلوایا تھا۔ نوبل کے جانے کے بعد جیسے گھر میں بحرمانی خاموشی چھا گئی مگر نہ گامیرے دل و دماغ کوئی  
 بوجھ نہیں تھا اس لئے میں نے جلد ہی اس خاموشی کو توڑ دیا۔ وہ بے چاری مہمانی جاں خود بخود چوری نی سولی تھیں۔ نوبل حسن واقعی آج بہ نفاظ نگار خیال کر نہیں رہی تھی کہ تمام باتیں سب نے نہ سنی ہیں۔ ہر  
 ایسی خوشی تھی مجھے بھی نہیں ہر حال میرے اچھے نواز نے سب کو رشیکس کر دیا تھا۔

شام کو میں نے خانہ زرینہ کے باہر جا کر ادا کیا۔ بال اور سیا کی خاموشی میں نے اچھی طرح محسوس کی، جبکہ مہمانی جان نے سنتے ہی کہا۔  
”بال لنگ جاؤ۔ وہ بے چاری تو بستر ہی سے لنگ کے روگنی میں۔“ مہمانی جان کے اصرار سے ہی بال میری طرف متوجہ ہوا تھا۔  
”بالا! وہ حضری راکھ کرے نے کیا؟“ خواجہ امان کو تنگ کر رہا تھا۔

”اب کی طبیعت عاقی تھی نہیں ہے۔ آپ میں۔۔۔“ میں نے بھی بھڑکنا چاہا تو میں نہ چاہے سوئے بھی مٹ گویا۔

”اگر میں وہاں جا رہوں تو تم لوگ یہ کون مجھ پر سوکھ میں ہرین مہمانی کی سی کی ہو گئے؟“ افسوس کرنے جا رہا ہوں۔ کیا میں خانہ زرینہ کی مہمانی نہ رہے میں جا سکوں گا یا یہ تم لوگ مجھے اس قابل نہیں سمجھتے؟“  
میں نے پچھلے دنوں کے یہ وہ دنوں کا حال سوچا۔

میں بال کا کہنا پر آیا تو بال مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔  
”کیا کہاں ہے؟“

میں نے پچھلے پاس نے کہا۔

”خانہ زرینہ کے باہر گئی ہے۔ ان کی میزبانی کا کام سونپا تھا۔“  
میں سر ہلاتا اس کے ساتھ باہر کی طرف نکل دیا۔

جوں جوں میں قدم اٹھا رہا تھا میرے دل پر عجیب سا بوجھ پڑا محسوس ہو رہا تھا۔ دروازے تک پہنچے تو میرا یہ حال تھا کہ میں سے ہلکی لٹ آئے کوئی چاہ رہا تھا۔ ہرست ہی نہیں سو رہی تھی کہ میں، خانہ زرینہ جیسی مشفق اور مہمان خانوں کا سامنا کروں۔

بال نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میری تکی پر ہلکی گئی۔ ایک دھڑکتا تھا، جب دروازہ ہمیشہ میری بل مہمانی کھڑا کرتی تھی۔

میر۔۔۔ مجھ نے چشم تصور پر اس کے کئی دل لہرے برباد کر دیے۔

خوب صورت و ذوق تھی ہی اس پر اس کے آپ و لہجہ کی دل لہریں نے مجھے کئی بار اپنے جاوہر کا امیر کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر جہاں سازش ہو کر بے جا ہو جاتی ہے۔ وہاں موت نہیں ملتی۔ میر۔۔۔ اور آپ  
نکھڑا سے نیا دیکھانے کا خیال یہاں چہ اختیار کرنا تھا اس لئے میں اس جہے کا امیر نہیں ہو پایا تھا۔ اور وہ جہوں سے گذر گئی تھی۔ بالکل "خالص" تھی۔ اسی لئے تو میں مجھوں میں عرق ہوئی کہ میر۔۔۔ انھوں  
کو بھی کبھی پرکھ کر نہیں دیکھا۔

وہ ہزار کھلے کی آواز میں جوتا۔ بڑی بے باکی سے میری نظروں پر ڈھکے ڈالے۔ بے چارے۔ وہاں بے جا کو کھڑے۔ کچھ کر میں خود کو بہت خاص سمجھ کر نہ لگا۔ ہم بیٹوں اور چلے آئے جہاں خالہ  
زینت اپنے بچے پر ہوا زچہ تھیں۔ میر۔۔۔ سلام کرنے پر انہوں نے سلام کا جواب تو دیا مگر وہ مجھے بچوں نہیں پاتیں۔

میں نے میرا تعارف کر لیا تو وہ خوش ہو گئیں۔ اپنے سر پر ہر۔۔۔ ان کے لڑتے کانچے ہاتھ کی شفقت مجھے دامت کی اقدار گہرا یوں میں دیکھ رہی تھی۔  
مگر یہ جہاں پاتیں کہ میں نے کیا کیا ہے اور میری وہ سب سے ان کا کتنا عظیم نقصان ہوا ہے تو؟

میری جیوتی پر پہنچنے کی جگہ میں چپکے لگیں۔ بالکل نہیں آرام کرنے کا مشورہ۔۔۔ ہاتھ دھو کر نہ لے کر مرگ رہی تھیں۔ ابھی بھی انہیں تیز ہمارا تھا۔

"میں نے کیا کیا۔ مٹی ہی ہے۔ تھوڑی سی لہر کے بعد سو جائیں گی۔" میں نے مجھے دیکھی آواز میں غماز کیا۔

"تم آ جاؤ کہ۔۔۔ میر۔۔۔ پاس آ جاؤ کہ۔۔۔ پھر وہ لوگ ہر وقت کاموں میں مصروف رہتی ہے۔ اس پوچھی گئی اسے چلتے پھرتے دیکھتی رہتی ہوں۔" تو ہونا سے مخاطب تھیں۔ میں نے اچھے و جہوں میں  
سناٹا ہنسی و ہنسی میں کی۔

"چہ نہیں کیا ہو کیا ہے۔۔۔ جیوتی نے بھی تو دیکھا ہوا ہے میری وہ۔۔۔ پہلے تو ہر وقت ہنسی دیتی رہتی تھی۔۔۔ کچھ عرصے سے تو گم سمی ہو گئی ہے۔ میں پوچھتی ہوں تو اس نے اس کر چپ ہو جاتی ہے۔ پتہ  
نہیں کیوں غور کو اس طرح۔۔۔" وہ مجھ سے کتنی کتنی فیئر کے ہونے کی رو میں آ گئیں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہاں ہے۔ مٹی کی یہ مریہہ وہاں تک نہ کر رہی تھی۔

میں خانہ کوئی سے سر جھٹائے بیٹھا تھا۔

خالہ ذریعہ کے کشہ ہر، تھیں سب باسرتی کہہ کر مخاطب کرتے تھے بازار سے لوٹے تو بہت خوش ملی سے ملے۔ وہ اسکول میں پڑھاتے تھے۔ میری بھی کہی ان سے اچھی خاصی ملامت دلائی تھی۔  
یہاں نے جاتے تاکر ہمیں پلائی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے بازار سے واپس آیا۔ یہاں نہیں کہاں تھی ہوئی تھی۔ بلال کے آواز سے پر مہمجن میں گئی تھی۔  
”میں خالہ کے لئے پھڑکی داری تھی۔ اچھی م پد کہہ کے کافی سوں۔“

اس نے وضاحت کی مگر میں نے سنی نہ سنی کی طرف بڑھ گیا۔ میں ہلدا از ہلدا اس کمرے سے نکل جانا چاہتا تھا۔ مجھے لگتا تھا، جیسے میری سانس کھٹ رہی ہے۔  
دات سونے کے لئے ہم اپنے چاتکوں پر لیٹے تو میں بہت دل گرفتہ ہو رہا تھا۔ مری، لڑائی اور غلطی کی کیفیت میں، میں نے بلال کے سامنے اپنی غلطی پر کھٹکائی کا افسوس کیا تھا۔  
”ماتھی مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میں نے بہت برا کیا، ہاں۔“

”افسوس ذریعہ۔“ یہ بلال کا حقیقت پسندانہ اور بے حد عجیبہ جواب تھا۔

”میں ہول چاہ رہا ہے کہ میں اس کی طرف سے گزرتا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”میری آنکھیں لگ رہی ہیں۔“

”تو کیا کر کے گھر؟“ بلال کا ادا رفتہ رہا سنوڑا تھا۔ ”معاذی اللہ کو کس سے؟“

”نہیں، ہاں۔“ میں جیسے بے اختیار شوہر کا ہی کے سے انداز میں دل بہاتا تھا۔ میں سر ہڈی کر دیا کہ اس کی محبت کتنا گہرے۔ میں قبل کر لوں گا اس کی محبت کو واپس کی محبت کا وہ افسوس کر رہا ہوں گا۔“

”میرا کیا کہہ رہے ہو؟“ بلال کے ہنسنے میں جیسے کسی نے گزرتا ہی سو۔ میں اچھل کر بیٹھا تھا۔

”مجھے کہہ رہے ہو، ہاں۔ محبت کا یاد از تو مارا ہے مجھے۔ میں نے آپ دیکھا تھا یہ آپ محبت کا۔ نوید حسن جیسی لڑکیاں تو رما کی آئی جاتی ہیں آپ جیسی سوتیلی ہیں۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے وہ بھی میری

زندگیاں میں آئی ہی نہیں تھی۔“

میرے آپ، لہجے میں بڑی تھکات والی سی محنتی باتیں رہ گئی۔ مگر مجھے اس کا کوئی خیال نہیں تھا۔ اس میں مجھے شہدے سے احساسِ سوز تھا کہ میں ایک معمولی لڑکی کا قاتل تھا۔ بس نے مانتی مجھ سے مجھے کیا تھی۔  
”اگر میری“ بلال کا لہجہ خستہ ہوا تھا۔

میں نے گہری سانس لی۔

”ہاں..... میری۔“ میں نے بتا دیں۔ تھکا جاتے آسمان پر غریب نکلیں۔ ”میں مانگا ہوں کہ میں نے بھی اس کے حوالے سے اپنے دل میں کوئی مسئلہ نہیں رکھی تھی۔ لیکن آج چار سالوں کے طویل عرصے کے بعد بغیر سزا، بلال! اس کی یاد میں سال میں بارہا وال کے ہونے لگی ہے۔ مجھے اس کی یاد آگئی ہے۔ کتنے گریہ بھرا۔“  
”کیا وقت کبھی نہیں لوٹتا، حرا؟“ میں نے سنا نہیں تھا یہ کبھی کسی طرح کہا ہے کسی نے کہ۔

”آپ لگتا ہے جوتا جوتوں، رہتا پانی بھرا سا جوت“

مجھے آسمان پر نوجوتے ستارے پر میری نظریں پڑی تو میں نے بلال کو دیکھا۔

”میں اس کو دیکھتا ہوں۔ ستارے کو کچھ کرنا ہے۔ ہم کو کچھ رہا ہوں۔ بلال! وہ کبھی تھی کہ نوجوتے ستارے کو کچھ کرنا تھا تو نہ بلال سوچا تھا۔ بلال پریشان ہو گیا۔“  
”کیا سوچا ہے، حرا؟“ میں نے اس کی طرف سے دیکھا۔ ”میں نے اس کی طرف سے دیکھا۔“

”اے سوائس میں سانس لے رہا ہے مشکل ہو گیا ہے بلال۔“

میں ہانچی حدودِ جدل گرفت ہو گیا تھا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ شخص لہذا سے شروع ہو کر وہاں بات کیا ہے؟ پہنچ گئی۔

انگلے جتنا وہ بہت پر مشورہ سے گزارے تھے بلکہ دشمنی و مہم بھی مگر مجھے ہر چیز کی یاد رہی تھی۔ خوشی لپٹے لپٹے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ صبح میں بائیں چاہوں گا۔ نانا اور سہیلی خانے میں ممانی جان





جوتے پہنچا لگا۔

”تم کہاں جا رہے سو؟“ مسکاتی جان کے چوتھے بریس مشکل انہیں سام سے انداز میں کہہ پایا۔

”میں دو جھٹسوں جا کر۔“

”ملاؤ گڈ ہسپتال ہا پکے ہیں۔ تم سر چلے جاؤ لڑکیاں، کیلی میں۔“ انہوں نے مجھے تا کیہ کی تو میں پونجی سر ہانا نکل آیا۔ میرا اور غصہ کا ایک ڈو دیکھ لیا تھا۔  
تا کیہ ایک بار پھر آپ کوں ارہی تھی۔ اس نے ایک بار جرمیری چال ٹھوہی برا تے دی تھی پھر میں جانے خون خرو میں مال کے سامنے پانڈیاں لگا رہا تھا۔

اور.....

وہ جواس ڈرامے کی رامنڈ اور ڈرامہ تھی، کتنی کامو۔ رہی تھی۔

میں نے سب سے بڑی تھی سے دروازہ چلا۔ فرامی ہو۔ نقد میں کے سامنے ہی لے آ کر وہ رہا ہوا۔

وہی تھی..... برقی آنکھیں لے۔

سٹاپا سے توقع رہی ہو کہ ہسپتال سے کوئی ڈا آتی ہے۔ مجھے دیکھ کر وہ دھندم پیچھے سے گئی۔ میں اب جھنجھٹل بارنگھڑ میں سے آ رہا تھا آگے بڑھا ہوا میں سے پہلے کہ وہ کچھ کتنی لڑا پاس ملتی، میں نے ایک ٹیپر پوری طاقت سے اس کے منہ پر دے دیا وہ کتن میں جا گری۔ اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی تھی۔

”تم ایک انتہائی گلیا لڑکی ہو۔ بلکہ تمہیں لڑکی کہنا سنا سیت کی تو بہن ہے۔“ میں انتہائی زیرِ خطہ لکھے میں رہا ہوتا ہوا سکتے کھڑی تھی، مجھ پر ہانے لگی۔

”شرم نہیں آتی آپ کو ایک لڑکی پر ہاتھ اٹھانے سوئے؟ گلیا تو آپ میں، بسوں نے اس کے سامنے اتنا حصول مذاقی کیا۔ اس نے خود انہی آپ کو چاہا تھا۔ آپ کو کھوڑا سی پریشانی رہا شتے کرنی چڑی تو آپ کی رہا شتے جواب دے گئی۔ ذرا تصور کریں کہ اس کی کیا حالت ہوئی ہوگی، آپ کے مذاقی کی تفصیل سن کر۔“

”میں کیوں؟“ اتنی پریشانی کا شکار رہا ہے۔ اس جرم کی سرگرمی تھکتا رہا جو جس نے کیا ہی نہیں تھا۔ ”میں غصے سے بولا۔ میرا دل چاہا۔ باقی وہ کیا ہی زور کا تھپڑ مارا کوٹھی۔ ”۔۔۔“

”اے اس کا بیجا جرم تھا، جہاں آپ اس کی توجہ نہ کر گئے؟“ بہت سی باتوں میں مذاق چلنا ہے مگر جذباتوں میں نہیں۔ ہوا آپ کو کس بلاتے کا حصہ رہا ہے؟ اس لئے کہ پیری نہیں، زندگی گئی ہے۔ اس نے دنیا کی میں خود کوٹھی نہیں کر لی؟ اتنی ہی سچی محبت تھی، آپ کو اس سے۔“

”کھاس بند کر، یا تم نے بھی کم نہیں کیا ہے۔“ ساتھ ”میرا“ اتنی جلد اشارہ کرنا گھٹن پر تھی۔ میری ہلکی ماس نے ایک بار پھر مجھے تھوڑا زمین کے کھلایا تھا۔

میں نے ”بھی نہیں۔ یہ سب دکھ میں نے سہارا لے لیا ہے۔“ تو بے حد تکی سے بولی۔ آنسوؤں کی وجہ سے اس کی آواز بھی بھاری ہو رہی تھی۔ ”یہ سوال کا آئینہ تھا اور میں نے اس کی بلاتے ہی تھی۔“

نانا نے ”اما کا کیا تو میں بے چینی سے دیکھتا تھا۔“

”میرے کے پانی میں سرخ رنگ بھی بال ہی نے پھینکا تھا۔ وہ اس وقت ہم سے کچھ فاصلے پر تھیں لے آپ کو پتہ نہیں چلا۔“ ہر یہ سب طرف۔ آپ کا غصہ بالکل بے جا ہے۔ بے بنیاد ہے۔ آپ کی شکایتیں، آپ کی دل گرہ کی واضح صورت ہے اس بلاتے کا کہ آپ کو بھی اس سوچا ہے کہ آپ نے میری کے ساتھ ٹھیک نہیں کیا تھا۔ ”میرا“ اس قدر شیش میں آئے اور اتنی اصول برکت کرتے کا کیا مطلب ہے؟“

”غصے سے اس کی رنگت تھما رہی تھی۔ آنسوؤں نے اس کا چہرہ گھٹا دیا تھا۔ میرا سارا چہرہ مارا غصہ بلک سے اڑ گیا۔ میں حواس میں آنا، ٹیڑھان کا غلبہ بنا تو مجھے احساس ہوا کہ میں نے کیا کھلایا حراکت کی ہے۔ میری ہاتھوں کے گرد بازو پیچھے رہی تھی۔“

”کئی لمحوں تک تو میں کچھ نہ لے کے نکلتی ہی نہ رہا۔“

پتہ نہیں، یہ بے اختیار اندر گرا افسانہ تھوڑے سے کیسے سرزد ہو گیا تھا۔ میں گھر سے کچھ نہ لے کے نہیں نکلتا تھا۔ یہ جو کچھ تھا، سب غصے اور اشتعال کا نتیجہ تھا۔ ”میرا“ غصے کا بال جھپٹا تو میں ہنس رہا اور ٹرمنڈی میں کھڑے تھا تھا۔ ”اما اور بال کے کئے کی مڑا میں سے وہ بھٹا تھا۔ اس پر ہی مجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس بلاتے کیسے سبھاؤں۔ میں جھپٹا مچل کر اس کے پاس گیا اور بے مشکل جھپٹا کر لایا۔“

”آئی ایم سوری ہو۔“

ٹپ۔ آپ مزید ایک لفظ بھی مت بولیں اور نکل جائیں یہاں سے۔ میسر۔ کچھ اور کہنے سے پہلے ہی وہ ایک پتھری سے سراسخا کر شیرنی کی طرح عروانی تھی۔ میں ماحول میں غرق ہونے لگا۔  
 ہکتورہ نے سے پہلے ہی اس کی حالت دیکھی تھی، اور میرے ساتھ کی انگلیوں کے نکاس اس کے بائیں دھندلے چھپ سے گئے تھے۔ میرا دل بے حد اس سے بھر گیا۔  
 مزید کچھ کہے بغیر میں ایسا آیا۔

ماہوں جاں آچکے تھے۔ ہمیں کھلا دے کر مرانی جاں لڑکیوں کے پاس چلی گئی تھیں۔ میں پہلے جلد تھے۔ لے رہا تھا۔ ماہوں جاں ہزاروں تھے۔ وہ گئے مگر میں بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر کے خود کھڑا ہوا۔  
 صحت پر آکر میں کتنی ہی دیر ٹھنک رہا۔ گزرا سو پہلے مجھے غور و خجانی کے گہرے میں کھینچ رہا تھا۔ ہر جگہ قصور میرا تھا۔ میں اب غور کو بہت پیچھا کرتا تھا۔ لگتا تھا کہ اسے ایک حقیقت پر پہنچنی تھی تو مجھے خدا سے  
 احساس ہو رہا تھا کہ میں اب بھی مری ہو رہا تھا۔ جتنی شہل کے قحط پہلے کرنے والا۔ غصے کے آگے نہ ہونا چاہتا تھا۔ میں اب آپ کا قہر یہ کرتا رہا۔  
 واصل جب تک آپ کو موافق حالات سامنا رہتا ہے آپ تک آپ بہتر نہ کہیں اور سو۔ سامان میں زندگی گزارتے رہتے ہیں۔ مگر جو بھی حالات کا ٹھنڈا آپ کی اصلیت ظاہر ہونے لگتی ہے۔  
 محنت، ایک جگہ تک ٹھہرے ہوئے کپانی میں خیر نہ پھیرا جائے تب تک اس میں اچھا نہیں لگتی۔

اور یہ موافق حالات ہی میں رہتے چلتا ہے کہ انسان کا وہ حاصل میں کتنی راحت اور صبر کا مادہ ہے۔ میں نے یہ عمل انداز میں کیا تھا۔ مجھے اپنی اس کمزوری پر شدید تاثر ہو رہا تھا۔ اسی لئے خدا نے  
 غصے کو املا کر دیا ہے۔ واقعی، یہ انسان کی نفس کو ایسے ہی کھا رہا ہے جیسے کہ آگ لگ رہی ہو۔

”جینک بھڑک کر صبر زندہ ہے۔ میری، اپنی روحانی قوت ایک بہت خوش کورسہ اس میں میری روح کو توانی بخش گیا۔ مجھے اپنی روح اپنے ضمیر کا بوجھ نہ ہر محسوس ہو رہا تھا۔  
 کس قدر دلچسپ رہتا ہے، جب کسی وجہ سے آپ کی روح آزاد ہوتی ہے جب وہ اپنی بیانی جو مرجانے کی حد تک آپ کو بھارت کر دے۔ تم سوچا ہے تو کیسا جانور! اس میں سوچا ہو۔  
 اسی کیفیت میں مجھے بھی کچھ پہلے کا اٹھایا گیا تو میرے لوہوں پر بجا اختیاری میں پہلے ہی مسکراہٹ مست تھی۔

میں نے کبھی بھی تمہارے ساتھ چھانٹیں یا میری دل میں اس طرح نہیں کروا دیا۔ کبھی نہیں ہوگا۔ یا غریب بارشیں۔ میں نے بہت بھینس اور احسا سے غور و خجانی کی تھی۔ میں نیم غور و خجانی میں تھا، جب

تھنا مارا دھولا اور پالیا۔ میں منجھل کر انہو بیٹھا۔

”کیسی طبیعت ہے اب؟“

”کس کی؟..... جس کو تھپڑ مار گئے تھے اس کی، پانچ روزہ کی؟“

جوتے تار کر ستر پر اور اڑھتے ہوئے تکی سے ہلاتے ہیں نے ماما کا نام اڑھتے ہیں اپنی مفاصلی پیش کی۔

”میں اپنی جلد بازی بہت شرمندہ ہوں۔ مگر یقین کر دھال میں نے جو لگی کیا، دانتے ہڈی کی ٹھنک اور ہلکی پڑی کاروائی تھا۔“

”یہ بات مجھے کچھ میں نہیں آئی کہ تم نے آٹے آف کنٹرول کیوں نہ جاتے ہو؟ میں تو اس کے سامنے خود کو مجرم محسوس کرنے لگا۔ یہ سب کچھ میں کر رہا تھا۔ وہ تو بس تمہارے سامنے نہ آنے کی شجہ تھی۔“ لال کا ادا زاب بھی سی تھا۔

”میں چاہتا ہوں کہ ٹھنک کاٹا سے بات نہیں بنے ہوائی۔ مگر میری مال اپنی ایم ریلی سوری۔“ میں حقیقت شرم رہا تھا۔

”آؤ تم تھیں اور روایت سے کام لیتے تھماؤ ذہن یوں جام نہ دھالیا کر۔ یہ شوجھا اشتعال ہی ہے جو تمہیں کچھ سوچنے مجھے نہیں، چاہو تمہاری“ ماریخ“ کوا ہے کہ تم نے جو لگی تھا کام کے، وہ ملوث سے نہیں ملے غصے سے مغلوب ہو کر کے ہیں۔“

وہ میرا اگلی ٹھیک تم پر کر رہا تھا۔ میں خاموشی سے منتظر رہا اس میں کچھ نہ ہوتا۔ یہی میں کچھ دلتا۔ مگر یہاں تیرا قہقہہ حقیقت پہنچی تھا۔ وہ آنکھوں، بازو ہر جگہ کر لیتا کیا۔ اس کی خاموشی سے لگی حقیقتی مارا ٹھنک مایاں تھی۔

”خدا زریٹہ کیسی میں اب؟“

”ٹھیک میں۔“ کمرے کے میں نہیں۔ ”وہ سی حالت میں ڈھانچا پائے انداز میں ہلاتے ہیں مگر وہ نہ لگا۔ آج تک کبھی بال نے مجھ سے یہ بے پروائی نہیں رہی تھی ادا اب۔“ مگر ہاتھ تو یہ ہرے سیدھی ل

پر محسوس ہو رہی تھی۔

”یاسا تھا انہیں؟“

”کوشوک نے جاری تھیں، کزوری کی وجہ سے پتھر کر گر پڑیں۔ تخت کا کنارہ پر ٹکے اور کزوری کی وجہ سے بے ہوش ہو گئیں۔ اب بچہ میں۔“ اس کا ادا ادا جواب لہجہ نوز سر تھا۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ میں کن لحاظ میں مال سے اپنے کئے پر شرمندگی کا اظہار کر رہی۔ بہت سوچ بچار کے بعد دل میں ایک ہی فیصلے پر متفق ہو کر رہ گئے، وہ میں نے بلکے سے ٹھکھار کر اسے متوجہ کیا۔

”ہال۔۔۔“

”ہوں۔۔۔؟“ وہ اسی یوزیشن میں ایسا تھا۔

”میں ٹھانی کر چاہتا ہوں۔“

میں نے اپنی طرف سے ”ہاں“ کا کیا اور اس کا رزلٹ کالی حوصلہ افزا نکلا۔ ”ہاں، ہاں، کر مجھے شرم دلانے والے لہذا میں دیکھنے لگا تو میں نے آپ بڑے۔ صورت ہی مسکراہٹ پاس کی۔

”اب تو تمہیں حتمی ثنائی کر ہی لینی چاہیے۔“ وہ جیسے غرایا تھا۔ ”تمہارے لئے خولہ حسن ہی بچہ ہے جو تمہیں متاثر کرے۔ چار جوت کی مار بھی لگائے۔“

اس کے چلے کئے لہذا میں نے چاہتیار قبضہ لگایا۔ پھر مجھے دھمکانے والے لہذا میں ہوا۔

”نقشہ تو تم نے بہت دلچسپ کھینچا ہے۔ علیہ را میں اس ال کا کیا کروں؟ یہ مجھے تجویز کر رہا ہے کہ میں وہ سے ہی ثنائی کر رہی۔“

بال کے لئے میری فرمائش اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھی کہ وہ چھل کر بیٹھ گیا اور ڈھکات سے چھنی سے مجھے دیکھنے لگا۔

”نہ میں کچھ نی کے کیا اس مردہ ہی ہو گئے۔“ میں نے اس کی بے چینی کا لطف لیا تو وہ ہچکچے لہذا میں مسکرا دیا۔

”بھری تم بہتہ نہیں آتا۔“ اس کا چہرہ مجھے بہتہ محسوس ہوا تھا۔ مگر میں بہتہ کچھ سوچے سوچے تھا۔ مجھے کے نیچے ہاتھ مار کر نہ بائل فون نکال کر میں نے اس کی طرف بڑھا دیا۔  
 ”امی سے بات کر۔ گھوٹا تم بھی تم ہی نہیں کرو گے۔ ٹیک اے۔“ میں نے سارا اختیار اسے سونپ دیا۔  
 وہ صدمہ ہے بے چینی ہے مجھے دیکھ رہا تھا۔

”جی کہہ۔ بے وقوف“ اس کی ٹنگھ بات پر میں کچھ کہے بغیر مو بائل آئی۔ کے نمبر پر مش کر نکلا۔ میں ”میں کر کے میں نے نہ بائل اس کی طرف بڑھا دیا۔“  
 ”اپنی لاک میں تمہارا ہاتھ میں نہ رہا ہوں۔“  
 مجھے معنی خیز انداز پر مقدمہ سے وقف سے ہوا۔  
 ”اگر جو عمر کے آن سرائی ہمارا ہے کر آئے سوہہ.....“

”اس کاری کیلکس لعد میں دیکھا جائے گا۔ خلد زرنہ میں ما۔“ اس نے ظہانیت سے کہا تھا میں نے مو بائل آف کر کے مجھے تھا دیا۔ میری مسکراہٹ مسکرائی۔ اس نے منامہ کی۔  
 ”یہ بات بہ زیادہ کارکردگیوں، جب چلی جان کے قہر و چھپو کے کانوں تک پہنچیں۔“ اس کی دور میں سوئی پر میرا دل کھل گیا۔ واقعی ان خطوط پر میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ ہر اثر مساری کم ہوئی تو مجھے  
 وہیاب آیا۔

”تمہیں یہ سب کس نے بتایا ہے؟“ میں نے ٹھیک رچ چھا تو وہ گہری۔ اس کے کرینت کیا۔  
 ”اگر بھی نیچے یا نے بتایا ہے۔ وہ بھی جی۔ وہ۔“

”آئی ایم سوری گین۔ یارا“ میں واقعی شرمندہ تھا۔ ”مجھے خود بھی احساس ہے کہ میں نے ایک ہمارے جابلانا، اخلاقی سے ماری حرکت کی ہے۔ لیکن اے میں پوری کوشش کروں گا کہ اپنے اندر واقعی جس  
 اور ہر داشتہ جسکی مہارت عودا کروں۔“

”جسے بل رہے سو تم۔“ وہ بے حد سنجیدگی سے بلا۔ میں کئی میں رہا کہ کچھ کہنے کا تھا کہ اس سے پہلے ہی وہ شرارت سے کہنے لگا۔

”اچھی تم جس سماج کی ”بیوا کش“ کہہ کر کر رہے تھے، وہ ملائی سے پہلے تو بچہ اس سرکشی میں بھر بعد میں گئیں۔“

اس کی بات۔ میں نے کئی قہقہہ لگایا تھا۔ اس کے بعد کافی دیر تک ہم کوئی لائق غفلت۔ نیپ دیے کی کوشش کرتے رہے۔ اس کوشش کے نتیجے میں ہم کئی ہی دیر ایک دوسرے کی تڑپوں کو دھکیلتے کرتے رہے تھے۔ اور جب ہم آخری فیصلہ کر کے سوئے تو وہ بھی تھا کہ مماتی جاں ہی کوئی سے بات کرنی چاہئے۔ خالد زریں میری ”تغریب کاریوں“ سے لطمہ نہیں ابرہ، ماسٹر ہی یقیناً میرے ہی حق میں فیصلہ دیتے۔ یہاں تک میری کا قلعی تھا تو اپنا کھویا سوا اختیار تو مجھے خود ہی حاصل کرنا تھا۔

بال نے مماتی جان سے بڑے جہاد سے بات کی سنی، اچھی، اندر آکر وہ کہیں۔ میں ماس جان کے ساتھ سندریا سا تھا۔ میں ماس آیا تب تک مماتی جان دوبال کی۔ اسی سے بات کر چکی تھیں۔ مجھ سے ٹکراتے ہی بال نے اٹھیں سے انگریزی کا نشان چلایا تھا۔

میرے اندر بے حد رنگوں کی کیفیت سراپت کر گئی۔ ساتھ ہی ایک بہت حسنی بھرا داس بھی میرے دل میں ابھرا۔ جو میں نے کبھی نہ چاہی تھی۔ وہ میرے چار ہاتھ تھا۔

میں نے اچھے سے بات نہایت بند کر رکھی تھی۔ مگر اس نے شوئے بہ وہ مجھ سے ملنے لگی۔ جس پر بال نے بڑے طریقے سے اسے سنبھال لیا۔ میں بڑی مسکین ہی قلم کا ہے، با۔ اور میری قلمی۔ مگر میں نے آخری تڑپ کے طور پر اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو وہ ہمیشہ کی طرح میرے شانے سے ٹک لگی۔ میں نے مگر ہی ماس کے لے کر طمانیت سے بال کو دیکھا تو وہ ہنس دیا۔ اور پھر اسی آئیں تو فز، رنگ چڑی چلی اور پھر ہی چاری کے ساتھ۔

”میں تو صرف اس شخص میں آئی ہوں کہ نوید حسن کہاں گئی؟“ آئی تھا کہ میں نے کانوں کو ہاتھ لگا دیا ہے۔

میرے انتخاب پر بہت خوش تھے۔ نوید حسن میں ہزاروں خوبیاں ہوں، مگر ایک اس کی نہ ہے۔ طبیعت، دماغ و ذہان اس کی تمام خوبیاں کو باہر دیتے تھے اس لئے بھی خوش رہنے تھے کہ میں نے ایک بہت اچھی لڑکی کو چاہا ہے۔ مماتی میرے جیسے جیسے ہی شخص اس میں بھی جدا کا شکرا داکر باتھا کہ مجھے جلد ہی نوید حسن کے اسل روپ کا پتہ ملے گا۔ مجھے اس بات کا کبھی خیال نہیں آیا تھا کہ وہ میرے

رشتے داروں سے بھی اپنی فطرت کے مطابق ذلیل کر سکتی ہے۔



یہاں ہی آئی اور بھائی ممانی جاں کے ساتھ غلام زریں کی طرف گئیں تو میں جیسے نہ لی بلکے کیا۔ بال بال میری حالت پر ہنس رہا تھا۔

”اچھا..... بھوسو ڈاٹھو رنگ تک لے گئی ہیں۔ اب پتہ نہیں کیا ہوگا۔“ وہ بھلے میری ٹخنوں پر حادہ ہاتھ۔

”بولو زہ نگہ رہی ہے مجھے تمہاری ہنسی۔“ میں نے اسے گھوسا اٹھلایا تو وہ ہلچل کا موٹا ہوا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کی زبان پر کھلائے گئی۔

”سو سنا ہے وہ کہے کہ پہلے پرانا حساب۔ پھر ہوگا اس کے بعد یہ منگنی ہوگی۔“

”کون سا حساب؟“

میں نے اسے سنا یہ اعداد میں سے دیکھا تو وہ مسکرا ہنسا کر بولا۔

”نہی، چھپرہ والا۔“

”کچھ اس نہیں کرو۔“ میں نے اسے ہاتھ کچکایا تو اس نے بلا تکلف قبضہ لگایا۔

”اگر میں یہی منگنی نہ کرانا تو آج ہی تم میرے گے پیچھے خوشامد کرنا پھر رہا ہوتا۔ مجھے — بعد میں کر کے پوچھنا چاہتا تھا۔“

ستم ہوئے تو کوئی جب وہ لوگ تو اس کی ہنسی سرسبز رہے۔ پہلی سرشاری اس بات کی گواہی کہ وہ ہرین علی عباس کو کمرے میں آئے تھے۔

میں نے کسی سے کچھ نہ جیسے بغیر ہی ”یا ہو“ کا پھر دیکھا تو کبھی بے اختیار ہنس رہے تھے۔ میں نے بہت دیر سے میری بیوی کی ہنسی۔ وہ تو یہیں گئی اب سے میرے پیچھے گئی تھیں کہ میں بھولی کر لیں۔ میں



میں پونہی نوٹ حسن کو کھٹکتے کے پتھر میں لگا رہا۔ اور اسے احساس ہوا کہ یہ سب قسمت کا پتھر تھا۔

بال کہ ماں نے جانے کسی کام سے بلا لیا تو میں کیا ہی جھٹکا، چلتے ہوئے باقی زندگی کے اس غوث گھوڑا دوز سے متعلق سوچنے لگا۔ کبھی مجھے جھٹ پر ہی کے کوڑے لورے زہریں کے چھٹکی آواز آتی تو میں ایک جھٹکے سے چلنا۔ حسب معمول میں یہی کہوں گا کہ دوسری تھی۔

اُس نے اپنی دانست میں مجھ سے دو وہ بات کر کے کاٹھکڑا راستہ اٹھوا دیا تھا کیونکہ یہ تو ایک مہر سے کے بعد مکمل جی ہوئی تھی۔ میں جیب سے سرتا میرا احساسات کے ساتھ اس کی طرف بڑھ کر جہاں کا تھاں رہ گیا۔ وہ آگ لگوا سوری تھی۔

”تمہاری بہت کیسے ہوئی جاتی فاصل حرکت کرنے کی؟ تم سمجھتے کیا ہو خود کی تم کہہ گئی کر سکتے ہو؟ مگر یہ تمہاری بھول ہے ہر نواز یہ سنبھال کے رکھو تم۔“

اس نے انکی سے کٹھنی نکال کر تفریبا میرے منہ پر دسائی، جو میں بہ شکل کچھ کر لیا تھا۔ وہ اپنی دانست میں بات لکھ دوسرے انگلیوں میں پیرا تھم کر کے چہرے دیا اور کی طرف مزی تو میں نے بہ سرت آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ وہ اپنی دسائی میں کٹھنی پکڑ کر میری طرف لپٹی ہو کر چلتے سے پہلے ہی مجھ سے لگا گئی۔ وہ تو اس باختم ہوئی ہی تھی، میں بھی چٹنا گیا۔

”بھولہ، مجھے۔“

اس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو میری طرف سے آواز کر لیا تو میں مسکرات دیا، تاہم پیچھے سو گیا۔

”لیکن تمہیں میری بات نہ سنائی پائی۔“ میرے مصبوط لہجے میں کہنے پر وہ بڑے جارحانہ انداز میں بولی۔

”مگر مجھے تمہاری کئی بات نہیں سننی۔“

”تو پھر اس جھٹکے سے کیا کرنے آئی تھیں؟“

”اے اے وہی میرے منہ سے بات لگ گئی۔ اس کے تو سر پر لگی ہتھکڑیاں ہیں۔“

”کھانا کھاؤ، یہ تمہاری۔ میں صرف تمہیں تمہاری، تمہارا کھانا کھانی ہے۔“

”اے“ میں نے شخصی اور اذلیل مہربانی۔ میرا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ”وہ“ نے لہجے میں کہا۔

”اگر میں جیوں تو جیوں کروں گا“

اس کی آنکھوں میں چہرے کے ساتھ ساتھ صاف بھی لڑائی۔ مجھے شہید ہوا ہوا۔ میں نے انگوٹھی اس کی طرف بڑھائی۔

”یہ سب میری خواہش سے نہیں ہے“

انکراپ پیر کی ڈائمنڈ نہیں ہے۔" گنگنی سے بولی تو میں نے بے اختیار ہنسا۔

”۔۔۔ مہربانی، بھائی! یہ تمہاری خواہش تھی“

میرے ایک سال، اس کے چہرے پر مٹی اور گلی ٹکڑوں نے اس نے بہت خرابی سے کیا تھی۔

”میں نے کڑے سخت کو بھی پایا ہے۔“

موتی کڑ: ”میں نے ہر سائنس دان میں ہر جگہ اس کی اپنی سہولت۔“ میں نے بھی یہی کیا ہے۔ یہ سائنس دان کا کام ہے۔“

"جئے نہیں تھا۔" وہی سے ہوئی۔ "مجھے یہ سزا قبول نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارے پاس یہ سزا نہیں ملنی چاہی۔"

”تمہاری ہنس میری آنکھوں سے چار سال پہلے والے لڑائی لڑ رہی ہو مگر یہ بھول رہی ہو کہ یہاں تو کھوں میں خزان چل رہا ہے۔ میں تو پھر چار سالوں کے بعد لوٹا ہوں۔“

میں نے اپنی معافی بخش کی تو اس نے شرمسار ہوا۔ مجھے دیکھا، مگر بڑی کڑواہٹ نہ ہوئی۔

"چراغی که در دلش می‌سوزد"



”یا انکو اس ہے یہ“ نہ دیکھو۔ اٹھنا اور ال جھوٹا ہو کر مگر میں جانتا تھا کہ مجھے بے گھر کر سبھاوا ہے۔

”میں جانتا ہوں کہ یہ باتیں سنا بہت مشکل ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ میں اس سے تم سے کہیں زیادہ واقف ہوں۔ میں نے تم سے دھوکا نہیں کھایا تھا۔ اگر دھوکا کھاتا تو اب یہاں نہیں آتا۔“

”خمر آپ نے مجھے بہت تیار کیا۔ پہنچائی تھی۔ قاتلانہ کے رکود پر مجھے۔“  
 وہ وہی تو مجھے نورس نس سولی۔ وہ شخص ری ایکٹ کر رہی تھی۔

ہواوی نوٹ بھنڈو کے نفس سولی۔ وہ شخص ری ایکٹ کر رہی تھی۔

”میں جانتا ہوں، جب ہتھی ٹینٹش ہو کوئی صندوق مورتو بھٹکے بجز اس جمع ہو جاتی ہے اور دیکھو، میں تمہارے سامنے اس میں اجازت ہے۔ رہا اس۔ چاہتا ہوں کہ تم بھی ٹینٹش مار سکتی ہو۔ میری ہتھی ٹینٹش کا رزلٹ بھی یہی تھا۔“

میں نے اپنا چہرہ اس کے چہرے کے باقاعدہ کیا تو وہ ہاتھوں میں چری انگوٹھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نئے چار تھے، ہے 4 لکھ انداز میں ہر بلا لایا تو اس نئے جی میں ہر بلا لایا۔ میرے دل میں سر تے عمر ۱۱ سال ہو کر، میں کھانسی فریض کر گیا۔

”میں تو ٹروس سے چھینا چور تھاموں۔ جس کھیاں میں، میں تمہیں بڑا ناچا رہتا ہوں میں خود ہی بد گیا۔ مگر تمہیں کرو کہ میں بے حد خوش ہوں۔ اتنا خوش کہ کبھی نوایہ حسن کے ساتھ بھی اتنی خوشی نہیں سوتی۔ اگر تمہیں پوچھی جا کہ میرا استاد کون ہے۔ تمہیں سنہا لکے سوئے مجھے بہت خوشی محسوس ہوئی۔“

میں نے بائیں کمرے کے دروازے کی انگلی میں دوپٹا باندھ کر پرنالی ڈاس نے کوئی مڑاٹھ نہیں دیا۔ میں نے دیکھا ماس کی آنکھوں سے اچھی سی آنسو بہہ رہے تھے۔ میرا ہاؤس میں ٹرانا لڑا آتی تو اس نے بہت جھنجھپ کر بائیں کمرے سے آنکھیں دھو کر دروازہ کھولا۔

میں نے اس کا ہاتھ تمام تر اس کی شغاف کلاں اٹھایا ہے سا مٹنے کی، جبر سے تقی سے نہا۔



PLEASE

میرے مولا کو کہہ دے کہ میری سہیلی ہے  
میرے پاس کی چاب دیکھیں تو میری سہیلی ہے